ماہنامہ سفینۂ بخشش کراچی

۱۴۳۲ھ
محرم الحرام / صفر المظفر / ربیع الاول

کلنا لک فدا یا رسول اللہ ﷺ

فرمانِ تاج الشریعہ

کچھ لوگ محمد ﷺ پر جیتے جی مرجاتے ہیں
تو ان کا حال یہ ہے کہ مرکر امر ہوجاتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

فیضان: سرکار حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خان قادری رضوی

ماہی سفینۂ بخشش کراچی

محرم / صفر / ربیع اول ۱۴۳۲ھ

جنوری / فروری / مارچ ۲۰۱۱ء

جلد نمبر: ۴ ...... شمارہ: ۴

قیمت فی شمارہ -/15 زر سالانہ -/150

فیضان

نبیرۂ حجۃ الاسلام جانشین مفتی اعظم ہند شہزادۂ مفسر اعظم ہند قاضی القضاۃ فی الہند

تاج الشریعہ حضرۃ العلام

مفتی محمد اختر رضا خان دام ظلہ العالی

قادری ازہری بریلوی

سرپرست

حضرت علامہ مولانا محمد یونس شاکر القادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ

فہرست

جمعیت رضائے مصطفےٰ کراچی نے دار المطالعہ باغِ رضا، جامع مسجد دار السلام، اورنگ آباد، ناظم آباد، کراچی سے شائع کیا

نوٹ: مضمون نگار کی ہر رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیجئے

www.alahazrat.net

Email: bagheraza@yahoo.com

0333-2296205 0334-3247192

رابطہ کے لئے: 163/12، نزد جامع مسجد دار السلام، اورنگ آباد ناظم آباد، کراچی۔

بہار قرآن

رضائے مصطفیٰ ﷺ

خواجہ محمد اشرف نقشبندی مجددی

قَدْنَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ [البقرہ:144]

ترجمہ: ہم دیکھ رہے ہیں، بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا، تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے، ابھی اپنا منہ پھیر دو، مسجد حرام کی طرف۔ [کنزالایمان]

شانِ نزول: سید عالم ﷺ کو کعبہ کا قبلہ بنایا جانا پسندِ خاطر تھا حضور اس اُمید میں آسمان کی طرف نظر فرماتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [تفسیر البغوی، تفسیر الخازن]

جونہی یہ آیت لے کر جبریل نازل ہوئے حضور نبی کریم علیہ السلام نماز کی حالت میں تھے، دو رکعت نماز بیت المقدس کی طرف رُخِ انور کر کے ادا فرما چکے تھے، بقیہ دو رکعت آپ نے کعبہ کی طرف رُخِ انور فرما کر ادا فرمائیں، آپ کے ساتھ خوش قسمت صحابہ رضی اللہ عنہم اُسی حالت میں آپ کی اقتداء میں کعبہ کی طرف مُڑ گئے۔

اِس ارشادِ خداوندی سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے محبوب مکرم ﷺ کی رضا بہت محبوب ہے۔ جو محبوب چاہتا ہے وہی عطا فرما دیا جاتا ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و مُحِب میں نہیں میرا تیرا

[حدائقِ بخشش]

حالانکہ اس سے پہلے بیت المقدس کی طرف اللہ کے حکم سے نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی تمنا یہ تھی کہ میرے لئے وہی قبلہ بنادیا جائے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ، جو اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بار بار اپنے رُخِ انور کو آسمان کی طرف اُٹھانے پر آپ کی خواہش پوری فرمادی۔

کعبہ قبلہ کیوں بنا؟ حدیث پاک میں ہے: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، اصل طینۃ رسول اللّٰہ ﷺ من سرّۃ الارض بمکّۃ [المواہب اللدنیہ]

ترجمہ: نبی پاک ﷺ کا خمیر مبارک زمین کی ناف (یعنی کعبہ) کی جگہ سے لیا گیا

یعنی کعبہ معظمہ جس جگہ موجود ہے اُس جگہ سے نبی پاک صاحبِ لولاک ﷺ کے وجودِ مبارک کیلئے مٹی پاک لی گئی۔ ہر شئے اپنے اصل کیطرف رخ کرتی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کے ظہور کا مرکز نبی کریم ﷺ کی ذات ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کا تعلق اس جگہ سے ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو کعبہ بنا دیا تا کہ تمام مخلوق اُس طرف رُخ کر کے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: "لمّا خاطب اللّٰہ السمٰوات والارض بقولہ: ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ O [حٰم سجدہ:11] اجابَ موضعُ الکعبۃِ الشریفۃِ، ومن السّماء ما یُحاذِیھا فالمُجیبُ من الارضِ ذاتُ محمدٍ ﷺ ومن الکعبۃ دُحِیتِ الارض" ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو "ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا" (آؤ خوشی سے یا مجبوراً) کا خطاب فرمایا تو زمین کے اُس خطہ نے جواب دیا جہاں اب کعبہ ہے اور آسمان کی اُس جگہ نے جواب دیا جو کعبہ کے مقابل ہے اور زمین سے جواب دینے والی حضور ﷺ کی ذات تھی۔

قال بعض العلماء: ھذا یُشعر بانّ ماالجابَ من الارضِ الا ذرّۃ المُصطفٰی محمدٍ ﷺ ومن موضع الکعبۃ دُحِیَت الارض فصار رسول اللّٰہ ﷺ ھو الاصلُ فی التکوین، والکائنات تبعٌ لہ [المواہب اللدنیہ] ترجمہ: بعض علماء کرام نے فرمایا...... بقیہ صفحہ 15 پر

بہار حدیث

دوستی اور جنگ

حکیم الامت
مفتی احمد یار خان نعیمی
علیہ الرحمہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهَا الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَهُ الْمَوْتَ وَاَنَا اَکْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ [صحیح بخاری]

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میرے کسی ولی (1) سے عداوت رکھے میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں (2) اور میرے کسی بندہ کا بمقابلہ فرائض عبادتوں کے دوسرے ذریعہ سے مجھ سے قریب ہونا مجھے زیادہ پسند نہیں (3) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں (4) پھر جب اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے (5) اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے دیتا ہوں اور اگر میری پناہ لیتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں (6) اور جو مجھے کرنا ہوتا ہے اس میں کبھی تردد نہیں کرتا جیسے کہ میں اس مومن کی جان نکالنے میں توقف کرتا ہوں جو موت سے گھبراتا ہے اور میں اسے ناخوش کرنا پسند نہیں کرتا ادھر موت بھی اس کیلئے ضروری ہے۔

1 ......ولی اللہ وہ بندہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ والی وارث ہو گیا کہ اسے ایک آن کے لئے بھی اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ خود اس سے نیک کام لیتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ'' [الاعراف:196] اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے۔ [کنز الایمان] اور وہ بندہ ہے جو خود رب تعالیٰ کی عبادت کا متولی ہو جائے، پہلی قسم کے ولی کا نام مجذوب یا مراد ہے اور دوسرے کا نام سالک یا مرید ہے۔ وہاں ہر مراد مرید ہے اور ہر مرید مراد فرق صرف ابتداء میں ہے یہ مقام قال سے وراء ہے حال سے معلوم ہوتا ہے۔

2 ......یعنی جو میرے ایک ولی کا دشمن ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کو تیار ہو جائے۔ خدا کی پناہ، یہ کلمہ انتہائی غضب کا ہے صرف دو گنا ہوں پر بندے کو رب تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ دیا گیا ہے ایک سود خور دوسرے دشمن اولیاء۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ '' [البقرہ:279] پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔ [کنز الایمان] علماء فرماتے ہیں کہ ولی کا دشمن کافر ہے اور اسکے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے۔ [مرقات] خیال رہے کہ ایک ولی اللہ سے اس لئے عداوت و عناد کہ ولی اللہ ہے، یہ تو کفر ہے اسی کا یہاں ذکر ہے اور ایک ہے کسی ولی سے اختلاف رائے یہ نہ کفر ہے نہ فسق لہذا اس حدیث کی بنا پر یوسف علیہ السلام کے بھائی اور وہ صحابہ جن کی آپس میں لڑائیاں رہیں ان کو برا نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں اختلاف رائے تھا عناد نہ تھا۔ عناد و اختلاف میں بڑا فرق ہے، حتیٰ کہ حضرت سارا کو اس بنا پر برا نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے حضرت ہاجرہ و اسماعیل علیہما السلام کی مخالفت کی۔ اس لئے یہاں عادیٰ فرمایا خالف نہ فرمایا اور لی ولیا فرمایا ولی اللہ نہ فرمایا۔

3 ......یعنی مجھ پر پہنچنے کے بہت ذریعہ ہیں، مگر ان تمام ذرائع سے زیادہ

محبوب ذریعہ ادائے فرائض ہے اس لئے صوفیاء فرماتے ہیں فرائض کے بغیر نوافل قبول نہیں ہوتے۔ ان کا ماخذ یہ حدیث ہے افسوس ان لوگوں پر جو فرض عبادات میں سستی کریں اور نوافل پر زور دیں اور ہزار افسوس ان پر جو بھنگ، چرس، حرام گانے بجانے کو خدارسی کا ذریعہ سمجھیں، نماز، روزے کے قریب نہ جائیں۔

4……یعنی بندہ مسلمان فرض عبادات کے ساتھ نوافل بھی ادا کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ میرا پیارا ہوجاتا ہے کیونکہ وہ فرائض ونوافل کا جامع ہوتا ہے۔ [مرقات] اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض چھوڑ کر نوافل ادا کرے، محبت سے مراد کامل محبت ہے۔

5……اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ ولی میں حلول کرجاتا ہے جیسے کوئلہ میں آگ یا پھول میں رنگ وبو، کہ خدا تعالیٰ حلول سے پاک ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے بلکہ اس کے چند مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ ولی اللہ کے یہ اعضا گناہ کے لائق نہیں رہتے ہمیشہ ان سے ٹھیک کام ہی سرزد ہوتے ہیں۔ اس پر عبادات آسان ہوتی ہیں، گیا ساری عبادتیں اس سے میں کرا رہا ہوں یا یہ کہ وہ بندہ فنافی اللہ ہوجاتا ہے جس سے خدائی طاقتیں اس کے اعضاء میں کام کرتی ہیں۔ اور وہ ویسے کام کرلیتا ہے جو عقل سے وراء ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے مصر سے چلی قمیض یوسفی کی خوشبو سونگھ لی، حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن لی، حضرت آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے تخت بلقیس لا کر شام میں حاضر کردیا، حضرت عمر نے مدینہ منورہ سے خطبہ پڑھتے ہوئے نہاوند تک اپنی آواز پہنچادی، حضور انور ﷺ نے قیامت تک کے واقعات بچشم ملاحظہ فرمالئے، یہ سب اسی طاقت کے کرشمے ہیں۔ آج تار کی طاقت سے ریڈیو تار، وائرلیس، ٹیلی وژن عجیب کرشمے دکھا رہے ہیں تو نوری طاقت کا کیا پوچھنا، اس حدیث سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو طاقت اولیاء کے منکر ہیں بعض صوفیاء جوش میں سبحانی ما اعظم شانی کہہ گئے بعض نے کہا مافی جبتی الا اللہ، یہ سب اسی فنا کے آثار تھے، مولانا فرماتے ہیں۔

چوں روا باشد انا اللہ از درخت
کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

6……یعنی وہ بندہ مقبول الدعاء بن جاتا ہے کہ مجھ سے خیر مانگے یا شر سے پناہ میں اس کی ضرور سنتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اولیاء رب تعالیٰ کی پناہ میں رہتے ہیں تو جو شخص ان سے دعا کرائے اس کی قبول ہوگی اور جو ان کی پناہ میں آئے وہ رب کی پناہ میں آجائے گا، مولانا جامی فرماتے ہیں۔

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام
ہمچو کاہے آمدم کہ ہے گناہ آوردہ ام

7……سبحان اللہ کیا ناز وانداز والا کلام ہے یعنی میں رب ہوں اور اپنے کسی فیصلہ میں کبھی نہ توقف کرتا ہوں نہ تامل، جو چاہوں حکم کروں مگر ایک موقع پر ہم توقف وتامل فرماتے ہیں وہ یہ کہ کسی ولی کا موت کا وقت آجائے اور وہ ولی ابھی مرنا نہ چاہے تو ہم اسے فوراً نہیں مار دیتے بلکہ اسے اولاً موت کی طرف مائل کردیتے ہیں۔ جنت اور وہاں کی نعمتیں اسے دکھا دیتے ہیں اور بیماریاں، پریشانیاں اس پر نازل کردیتے ہیں جس سے اس کا دل دنیا سے متنفر ہوجاتا ہے اور آخرت کا مشتاق پھر وہ خود آنا چاہتا ہے اور خوش خوش ہنستا ہوا ہمارے پاس آتا ہے۔ یہاں تردد کے معنی حیرانی پریشانی نہیں کہ وہ بے علمی سے ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا واقعہ اس حدیث کی تفسیر ہے۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کو موت وزندگی کا اختیار دیا جاتا ہے وہ حضرات اپنے اختیار سے خوشی خوشی موت قبول کرتے ہیں اور یار خنداں رود بجانب یار کا اظہار ہوتا ہے، ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں قضاء آید تبسم بر لب او ست

غرضیکہ ہماری موت تو چھوٹنے کا دن اور اولیاء، انبیاء کی وفات پیاروں سے ملنے کا دن۔ اسی لئے ان کی موت کے دن کو عرس یعنی شادی کا دن کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے، مشیت، رضا، کراہت میں بہت فرق ہے بعض چیزیں رب تعالیٰ کو ناپسند ہیں مگر ان کا ارادہ ہے بعض چیزیں پسند ہیں مگر ان کا ارادہ نہیں۔

نعت سرکار ﷺ

انہیں جو دیکھے وہی ہے ہزار آنکھوں میں

حضور تاج الشریعہ حضرۃ العلام
مفتی محمد اختر رضا خان قادری
ازہری دام ظلہ علینا

کچھ ایسا کردے میرے کردگار آنکھوں میں
کہ جلوہ گر رہے وہ گل عذار آنکھوں میں

وہ لالہ رخ ہو اگر جلوہ بار آنکھوں میں
بہار لالہ ہو پھر پائیدار آنکھوں میں

نظر یہ کہتی ہے بے اختیار آنکھوں میں
انہیں جو دیکھے وہی ہے ہزار آنکھوں میں

نظر ہے رشکِ نظر افتخار آنکھوں میں
جسے کرے وہ نظر اختیار آنکھوں میں

کرم سے جلوہ کرے جب نگار آنکھوں میں
کھنچ آئے ساری چمن کی بہار آنکھوں میں

بنائیں دل کو وہ گھر رہ گزار آنکھوں میں
نظر ہو قدموں پہ ان کے نثار آنکھوں میں

کھنچ آئی جان پئے انتظار آنکھوں میں
کرم سے لیجئے اب تو قرار آنکھوں میں

بسے ہیں جب سے مدینے کے خار آنکھوں میں
ہوا ہے صحنِ چمن خار زار آنکھوں میں

گزر ہو ان کا کبھی بے قرار آنکھوں میں
گہر ہوں نذر قدم اشکبار آنکھوں میں

ابھی ہو روکشِ عرشِ بریں نظر میری
جو آئے عرش نشیں تاجدار آنکھوں میں

پھر آئیں دن میرے اختر شبِ حضوری میں
کرم سے جلوہ کرے جب نگار آنکھوں میں

نگاہِ مفتیِ اعظم کی ہے یہ جلوہ گری
چمک رہا ہے جو اختر ہزار آنکھوں میں

☆……☆……☆……☆……☆……☆

☆……☆……☆……☆……☆

☆……بقیہ: شیر بیشۂ اہل سنت ﷫……☆

بستر پر کیا دیکھا تھا اور اب کیا دیکھ رہا ہوں۔ حضرت کے ساتھ جب وہ کمرے میں گئے تو بستر ے کو بالکل خالی پایا وہاں کچھ بھی نہ تھا، صبح حضرت شیر بیشۂ اہل سنت نے ان کو بلایا کہ حاجی صاحب آپ نے جو بستر پر دیکھا تھا اس کو میری زندگی میں کسی سے نہ بتائے گا، یہ وعدہ کیجئے۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت 59 سال کی عمر شریف میں 8/ محرم الحرام 1380ھ مطابق 1960ء اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (تلخیص)

ابرِ رحمت تیری مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

حوالہ جات……سوانح شیر بیشۂ اہل سنت، مولانا حشمت علی لکھنوی ایک تحقیقی مطالعہ، مفتی اعظم اور ان کے خلفا، تذکرہ اکابر اہل سنت

مہمان اداریہ

اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ

علامہ سید ریاض حسین شاہ
مرکزی ناظم اعلیٰ
جماعت اہلسنت پاکستان

گستاخ رسول کی سزائے موت ...... چند ضروری وضاحتیں

لوگوں کے ذہن میں سلمان تاثیر کے قتل سے کئی ایک سوال پیدا ہو گئے۔ جماعت اہل سنت پاکستان کے دارالافتا سے صادر ہونے والے فتویٰ، نے ملت اسلامیہ کی مذہبی سوچوں کو ایک رخ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دینی مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے شکوک ذہن میں بے چینی پیدا کرنے لگے وگرنہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں جانی گئی ہے کہ افراد کی موت کوئی معنی نہیں رکھتی ایمان اور عقیدے کی حیات قومی زندگی کا محور ہوا کرتا ہے۔ چونکہ فی نفسہٖ مسئلہ کا تعلق قانون، فقہ، عدالت اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ہے اس لئے اسلامی قانون کے اصل مراجع کے بغیر صورت حال پوری طرح واضح نہیں کی جا سکتی۔

رسول زمین پر اللہ کے نائب ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کا نفوذ نبی اور رسول ہی کرتے ہیں۔ رسولوں کی تعظیم اور تکریم دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم اور تکریم ہوتی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ رسولوں کی تکریم لازم کی گئی بلکہ رسولوں سے منسوب جملہ اشیاء کی تعظیم بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔ قرآن مجید نے صاف طور پر کہا: ”سو جو ان پر ایمان لایا اور ان ﷺ کی خوب تعظیم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ نازل ہوا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“ [الاعراف:157]

حضور ﷺ کی بارگاہ میں آوازوں کو بلند کرنے سے منع کر دیا گیا۔ مزید یہ کہ رسول رحمت ﷺ کو عامیانہ انداز سے مخاطب کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور وہ لوگ جو اس تادیب کے باوجود باز نہ آئے ان کے اعمال اکارت چلے جانے کی خبر سنائی گئی: ”اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو اور ان کے سامنے اونچے نہ بولو جیسے تم ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز میں بولتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتا بھی نہ چل سکے۔ [الحجرات:2]

ایسے الفاظ جن کے استعمال سے کوئی دوسرا شخص فائدہ اٹھا کر گستاخی کر سکتا ہے ان جائز الفاظ کا استعمال بھی ممنوع قرار دے دیا گیا: ”اے ایمان والو“ ”راعنا“ ”مت کہو، کہنا ہی ہو کچھ تو عرض کرو“ نظر میں رکھیے ہمیں“ اور سنا کرو اور منکرین کیلئے دردناک عذاب ہے [البقرہ:104]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان کی ایک علامت یہ بیان فرمائی کہ مومن ایسے لوگوں سے قلبی روابط اور تعلقات رکھنے کو جائز نہیں سمجھتے جو حضور ﷺ کے گستاخ ہوں اور ان کی مخالفت کرتے ہوں۔ سورۃ مجادلہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”آپ نہیں پائیں گے کوئی قوم جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو کہ پیار کریں ایسے لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں اگرچہ وہ لوگ ان کے آباؤ اجداد یا آل، اولاد یا بھائی برادر یا کنبے قبیلے سے ہوں، اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو راسخ کر دیا ہے اور اپنی خصوصی توجہ سے ان کی مدد فرمائی ہے اور اللہ انہیں باغات میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی وہ ہمیشہ انہی میں رہیں گے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں، سنتا ہے جو اللہ کی جماعت ہے وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔“ [المجادلہ:22]

کتاب اللہ نے شاتمین رسول اور مخالفین انبیا کو ذلیل ترین مخلوق قرار دیا، ارشاد باری ہے: ”بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب لوگ انتہائی ذلیل لوگوں میں ہیں“ [المجادلہ:20]

وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کو دکھ اور ایذا دیتے ہیں انکے بارے میں قرآن مجید نے فرمایا: ”بیشک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ بھی انہیں دنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے اور اس

نے ایسے لوگوں کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔" [الاحزاب:57]

اس آیت کی تشریح میں جمہور مفسرین نے یہ بات نقل کی ہے:

"مدینہ میں کچھ اوباش آوارہ صفت، بدمزاج اور منافقین شاتمین حضور ﷺ کے گھر والوں کے لئے تشبیب بکتے، گھر انہ رسول کی توہین کرتے، افواہیں پھیلاتے، دکھ دینے والی باتیں کرتے، قرآن حکیم نے انہیں ملعون کہا اور صاف واشگاف اعلان کر دیا، یہ دھتکارے ہوئے ملعون لوگ جہاں ملیں گرفتار کر لیے جائیں اور انہیں قتل کر دیا جائے۔ اس گینگ کا سرغنہ کعب بن اشرف تھا۔ حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں اعلان فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہے جو مجھے کعب بن اشرف کے بارے میں سکون دے۔ محمد بن مسلمہ نے اجازت چاہی کہ اسے آئینہ میں اتارنے کے لئے مجھے کچھ کمزور باتیں کرنے کی بھی اجازت دی جائے۔ بارگاہِ نبوت سے اجازت ملی اب اگلا ماجرا بخاری کی روایت کردہ حدیث میں تفصیلاً ملاحظہ ہو، امام بخاری نے اپنی جامع کی دوسری جلد میں صفحہ 576 پر یہ حدیث بیان کی: "رسول محتشم ﷺ نے فرمایا: "کعب بن اشرف کا ذمہ کون لیتا ہے؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔ محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور عرض کی آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے قتل کر دوں آپ نے فرمایا: "جی ہاں" محمد بن مسلمہ نے کہا پھر آپ مجھے اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں اسے کچھ تعریضی کلمات کہہ سکوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور کہا یہ محمد ﷺ ہم سے صدقہ طلب کر رہے ہیں انہوں نے ہمیں تنگ کر رکھا ہے میں تجھ سے مقررہ میعاد پر سودا کرنے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا آپ لوگ محمد سے ضرور کبیدہ ہوں گے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا ہم نے ان کی اطاعت کی ہے لیکن اب چاہتے ہیں کہ چھوڑ دیں دیکھتے ہیں ان کی دعوت کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو ایک یا دو وسق پر سودا ادھار دے۔ کعب بن اشرف نے کہا کہ دے دوں گا لیکن اس شرط پر کہ تم اپنی عورتیں میرے پاس رہن رکھ دو۔ جواباً کہا گیا کہ عورتیں تمہارے پاس کس طرح رہن رکھی جا سکتی ہیں فتنہ کا ڈر ہے اس لئے کہ تو عربوں میں حسین شخص ہے۔ پھر کعب بن اشرف نے کہا کہ بیٹے رہن رکھ دو کہا گیا کہ تو اگر انہیں گالی دے گا تو یہ چیز باعث عار ہوگی لیکن اگر تم قبول کرو تو ہم اسلحہ رہن رکھ سکتے ہیں اس طرح سودا مکمل کرنے کے لئے محمد بن مسلمہ نے کعب کو رات کے وقت بلا لیا۔ جب وہ قلعہ سے اتر کر ان کے پاس آیا تو محمد بن مسلمہ اور کعب کے رضاعی بھائی ابونائلہ نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ کعب بن اشرف کا قتل حضور ﷺ کی گستاخی کی سزا تھی۔ [تلخیص]

گستاخ رسول ﷺ کی سزا پر امام بخاری کی روایت کردہ ایک دوسری حدیث ملاحظہ ہو۔ اس حدیث کو حضرت براء بن عازب نے روایت کیا: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے (کچھ حضرات کو) جو انصار تھے ابورافع یہودی کی طرف بھیجا ان لوگوں کا قائد حضرت عبداللہ بن عتیک کو بنایا یہ ابورافع نبی علیہ السلام کو ایذا دیتا تھا اور آپ کے خلاف لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز کے اپنے ایک قلعے میں رہتا تھا، جب وہ گروہ قلعہ کے قریب گیا تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے ٹھکانوں پر واپس آ رہے تھے، اب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم حضرات اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ میں چلتا ہوں دربان کو نرم کرنے کی کوشش کروں گا شاید میں اس طرح قلعے میں داخل ہو جاؤں وہ آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچ گئے پھر انہوں نے چادر لپیٹ لی گویا وہ رفع حاجت کر رہے ہیں، لوگ قلعے میں داخل ہو گئے دربان نے پکارا! اے اللہ کے بندے! تو اندر داخل ہو کیونکہ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں، اب میں (عبداللہ بن عتیک) اندر چلا گیا، میں چھپ گیا جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس (دربان) نے دروازہ بند کر دیا پھر اس نے چابیاں اندر ایک میخ پر لٹکا دیں وہ اپنے ایک بالا خانے میں تھا جب اس کے پاس سے قصہ گو چلے گئے اب میں اوپر چڑھا میں جو دروازہ بھی کھولتا اندر سے اسے بند کر کے آگے بڑھتا تھا تا کہ اگر لوگوں کو پتہ بھی چل جائے تو مجھ تک نہ پہنچ پائیں تا کہ میں اسے قتل کر سکوں میں اب اس تک پہنچ گیا وہ (ابورافع) ایک تاریک گھر (کمرہ) میں اپنے اہل خانہ کے درمیان سو رہا تھا مجھے پتہ چل رہا تھا کہ وہ کس حصے میں ہے، میں نے پکارا اے ابورافع! اس نے کہا یہ کون ہے؟ میں آواز کی طرف لپکا اور اسے تلوار کی ایک ضرب لگائی مجھ پر دہشت طاری تھی یہ ضرب

کافی نہیں تھی۔ وہ چلایا میں کمرے سے نکل گیا میں کچھ فاصلے پر رک گیا پھر اندر داخل ہو کر کہا، اے ابو رافع! یہ آواز کیا تھی؟ وہ بولا تیری ماں مرے (اس نے اب اسے کوئی اپنا محافظ سمجھا ہوگا) ابھی ایک شخص نے کمرے میں مجھے تلوار ماری ہے، فرماتے ہیں پھر میں نے اسے شدید زخم بھری تلوار ماری مگر وہ تا حال مرا نہیں تھا پھر میں نے تلوار کا کنارا اسکے پیٹ میں اتار دیا تلوار پشت کی طرف سے نکل گئی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مر گیا ہے میں ایک ایک دروازہ کھول کر باہر نکل کر ایک سیڑھی سے اترا میں نے سمجھا کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں مگر میں تو چاندنی رات میں گر چکا تھا میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے پگڑی سے اسے باندھ دیا پھر چل کر میں گیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور اپنے طور پر کہا کہ میں رات کو باہر نہیں نکلوں گا جب تک مجھے پتہ نہ چل جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جب (سحری کو) مرغ چلایا تو موت کی خبر دینے والا قلعے کی دیوار پر آیا اور کہا میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر دے رہا ہوں۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا نجات ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو مار دیا۔ اب میں سید کل ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا سارا واقعہ آپ کو سنایا۔ آپ نے فرمایا پاؤں پھیلا دے، میں نے اپنا پاؤں پھیلا دیا۔ آپ نے اس پر (ہاتھ مبارک) پھیرا ایسا معلوم ہوا کہ اسے کبھی کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

عبداللہ ابن اخطل، نبی کریم ﷺ کی ہجو کرتا تھا اور اس کی دو لونڈیاں بھی حضور ﷺ کی گستاخی کرتی تھیں فتح مکہ کے بعد جب وہ غلاف کعبہ میں چھپا ہوا تھا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا اسے قتل کر دو کیوں نہ یہ کعبے کے پردے میں پناہ لیے ہو۔

ایک شخص بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرا باپ آپ کی گستاخی کیا کرتا تھا میں نے اسے قتل کر دیا یہ بات آپ پر گراں نہ گذری اور اس طرح اس کا خون ہدر رہا۔ یہ روایت ابن قانع کی ہے۔

ہارون الرشید نے حضرت امام مالک سے مسئلہ پوچھا گستاخ رسول کی سزا کیا کوڑے سے مارنا کافی نہیں اس پر حضرت امام نے فرمایا:

''اے امیر المومنین! گستاخ رسول گستاخی کے بعد بھی زندہ رہے تو پھر امت کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے گستاخ کو فی الفور گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔''

ردالمختار میں امام محمد بن سحنون کی روایت ہے: ''تمام علماء کا اس پر اجماع ہے حضور ﷺ کو گالی دینے والا آپ کی شان میں کمی کرنے والا کافر ہے اور تمام امت کے نزدیک وہ واجب القتل ہے۔ [ردالمختار/ ج3:3/ ص:400]

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کے صاحبزادے حضرت محمد ﷺ کے دور میں ایک امام جس کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا قرآن کی آیات کا مذاق اڑایا اور مفاہیم کے ردوبدل سے یہ الفاظ کہے: ''قسم ہے آٹا پیسنے والی عورتوں کی، جو اچھی طرح گوندھتی ہیں پھر روٹی پکاتی ہیں پھر ثرید بناتی ہیں پھر خوب لقمے لیتی ہیں''۔ اس پر حضرت نے اسے قتل کا حکم سنایا اور لمحہ بھر بھی تاخیر نہ فرمائی۔ [مصنف ابن ابی شیبہ/ باب ارتداد]

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے تاریخی الفاظ ملاحظہ ہوں: ''جو شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کرے اس کا خون حلال اور مباح ہے۔'' اس جملے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے عدالتی کاروائی ہو تو فبہ ورنہ پورا معاشرہ سستی اور کوتاہی پر مجرم ہوگا۔ ان ہی خیالات کا اظہار بار ہا پنجاب ہائی کورٹ کے معزز جج میاں نذیر اختر فرما چکے ہیں۔

اب سنیے حضرت علی المرتضیٰ ﷺ کے بارے میں آپ نے ایک موقع پر شاتمین دین و رسول کو قتل کرنے کے بعد جلا دینے کا حکم صادر فرمایا یہ روایت بھی بخاری کی ہے: ''حضرت امام حسین ﷺ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں میرے والد گرامی کہتے تھے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو کسی نبی کو سب کرے اسے قتل کر دو اور جو کسی صحابی کو برا بھلا کہے اسے کوڑے مارو۔''

الاشباہ والنظائر میں ہے: ''کافر اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کر لی جائے لیکن اس کافر کی توبہ قبول نہیں جو نبی کریم ﷺ کے حضور گستاخیاں کرتا ہے۔''

نسائی شریف کی حدیث ہے کہ: ''ایک شخص نے ابوبکر صدیق

ﷺ کو سب کیا آپ کے ایک عقیدت مند نے اجازت چاہی کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حق صرف حضرت محمد ﷺ کا ہے کہ انہیں بکواس کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔" [نسائی/ج:2/ص:170]

ابن ماجہ نے روایت کیا کہ: "حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک مرتد کو قتل کی سزا دی اس پر فتح القدیر کا مؤلف لکھتا ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کے خلاف غلیظ زبان استعمال کرے اس کی گردن اڑا دی جائے۔" [ابن ماجہ/ج:2/ص:182، بحوالہ طبرانی]

محدث عبدالرزاق روایت فرماتے ہیں: "خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کچھ مرتدوں کو آگ میں جلا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ نے خالد رضی اللہ عنہ کو کھلا چھوڑ دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا میں اللہ کی تلوار کو نیام میں نہیں ڈال سکتا"۔ [مصنف/ج:5/حدیث:9412]

سنن ابی داؤد کی حدیث ہے: "حضرت عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ یہ بات ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتائی ایک اندھے کی ام ولد تھی وہ حضور ﷺ کو گالیاں بکتی تھی اور اسلام کے خلاف اعتراض کرتی تھی، وہ نابینا شخص اس کو روکتا لیکن وہ باز نہ آتی، ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود وہ اپنے ہفوات سے باز نہ آئی۔ ایک رات وہ حضور ﷺ کو سب وشتم کرنے لگی تو نابینا صحابی اٹھا اور خنجر لیا اس کے پیٹ میں اتار دیا اور اس عورت کو قتل کر دیا۔ صبح صبح یہ واقعہ رحمت عالم کو سنایا گیا۔ آپ ﷺ فرمانے لگے جس آدمی نے ایسا کیا ہے اس پر میرا حق ہے وہ کھڑا ہو جائے وہ شخص لڑکھڑاتے ہوئے آگے بڑھا اور حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا اور تسلیم کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس عورت کا قاتل ہوں یہ آپ کو گالیاں دیا کرتی تھی اور اسلام پر اعتراض کیا کرتی تھی پس میں نے گذشتہ رات خنجر سے اسے قتل کر دیا حالانکہ میرے اس سے موتیوں جیسے دو بیٹے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "سنو! سنو! تم سب گواہ ہو کہ اس کا خون ہدر ہے۔" اس حدیث میں غور وفکر کے لئے کافی مواد موجود ہے کہ اس عاشق رسول ﷺ نے ماورائے عدالت اس عورت کو قتل کیا لیکن حضور ﷺ نے اس کے خون کو ہدر قرار دیا۔

حضور انور ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو شہر نور میں ایک بوڑھا جس کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور نام اس کا ابو عفک تھا۔ انتہائی دشمنی کا اظہار کیا لوگوں کو وہ حضور ﷺ کے خلاف بھڑکاتا، نظمیں لکھتا، جن میں اپنی بد باطنی کا اظہار کرتا۔ جب حارث بن سوید کو موت کی سزا سنائی گئی تو اس ملعون نے ایک نظم لکھی جس میں حضور ﷺ کو گالیاں بکیں۔ حضور ﷺ نے جب اس کی گستاخیاں سنیں تو فرمایا: "تم میں سے کون ہے جو اس غلیظ اور بدکردار آدمی کو ختم کر دے" سالم بن عمیر نے اپنی خدمات پیش کیں وہ ابو عفک کے پاس گیا دراں حالیکہ وہ سو رہا تھا سالم نے اس کے جگر میں تلوار زور سے کھبو دی، ابو عفک چیخا اور آنجہانی ہو گیا۔ [سیرت ابن ہشام/ج:2/ص:868]

حویرث بن نقیض رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیا کرتا۔ ایک بار حضرت عباس مکہ سے مدینہ جا رہے تھے۔ حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ جانے کیلئے ان کے ساتھ نکلیں۔ ظالم حویرث نے سواری کو اس طرح ایڑھ لگائی کہ دونوں شہزادیاں سواری سے گر گئیں۔ رسول ﷺ نے اسے موت کی سزا سنائی۔ فتح مکہ کے موقع پر حویرث نے خود کو ایک مکان میں بند کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے تلاش کر لیا اور اپنے آقا ﷺ کے حکم پر اسے قتل کر دیا۔

بخاری شریف کی روایت ہے معاویہ بن مغیرہ نامی ایک گستاخ کو رسول اللہ ﷺ نے گرفتار کروا لیا اور فرمایا: "ایک سچا مسلمان ایک ہی سانپ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ اے معاویہ بن مغیرہ! تم اب کسی صورت میں بھی واپس نہیں جا سکتے پھر فرمایا، اے زبیر! اے عاصم! اس کا سر قلم کر دو۔"

فتاویٰ بزازیہ میں ہے اور یہ حنفی فقہ کی معروف کتاب ہے: "جب کوئی شخص حضور ﷺ یا انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی توہین کرے اس کی شرعی سزا قتل ہے اور اسکی توبہ یقیناً قبول نہیں ہوگی۔"

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ: "حضور ﷺ کے ساتھ منسوب کسی چیز میں عیب نکالنے والا شخص کافر اور واجب القتل ہوگا۔ جیسے کسی شخص نے حضور ﷺ کے بال مبارک کے بارے میں تصغیر کا صیغہ

استعمال کر کے تنقیص کی۔"

علامہ جصاص رازی لکھتے ہیں: "مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا جو شخص حضور ﷺ کی ذات پاک کے خلاف بے ادبی کی جسارت کرے وہ مرتد ہے اور قتل کا مستحق ہے۔"
[احکام القرآن]

عالمگیری میں ہے کہ: "جو شخص کہے حضور ﷺ کی چادر یا بٹن میلا کچیلا ہے اور اس قول سے مقصود عیب لگانا ہو اس شخص کو قتل کر دیا جائے گا۔"

علامہ خفاجی، نسیم الریاض میں فرماتے ہیں: "اگر کسی شخص نے کسی شخص کے علم کو حضور ﷺ کے علم سے زیادہ جانا اس نے توہین کی اس لیے وہ واجب القتل ٹھہرا۔"

قاضی عیاض فرماتے ہیں: "یمن کے گورنر مہاجر بن امیہ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اطلاع دی وہاں ایک عورت مرتد ہوگئی اس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی والا گیت گایا گورنر نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور سامنے والے دو دانت توڑ دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا اگر تو فیصلہ کر کے عمل نہ کرا چکا ہوتا تو میں اس عورت کے قتل کرنے کا حکم صادر کرتا اس لیے کہ نبیوں کے گستاخ قابل معافی نہیں ہوتے۔" [شفا/ ج:2/ ص:222]

حضور ﷺ کے گستاخ کی سزا یہی ہے کہ وہ واجب القتل ہے۔ اسکی توبہ قبول نہیں چاروں مسالک یہی ہیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم، البحر الرائق میں ارشاد فرماتے ہیں: "حضور ﷺ کو سب و شتم کرنے والے کی سزا قتل ہے اسکی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔"

علامہ خطابی فرماتے ہیں: "امت اس بات پر مجتمع ہے کہ کسی بھی نبی کی بے ادبی کفر ہے اور شاتم واجب القتل ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس حقیقت سے کسی نے انکار کیا ہو۔"

مبسوط میں امام سرخسی فرماتے ہیں: "نبیوں کو گالی دینے والے کو قتل کیا جائے گا اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں ہوگا۔"

امام سیوطی نے الخصائص الکبریٰ میں سفیان ہذلی کے بارے میں یہ روایت لکھی ہے کہ: "حضور ﷺ نے اس گستاخ کی نشاندہی خود فرمائی اور کہا کہ اس وقت وہ وادی نخلہ یا وادی عرنہ میں ہے۔ تم جاؤ اور اسے قتل کرو رسول ﷺ نے عبداللہ بن انیس کو اپنا عصا مبارک بطور انعام عطا فرمایا۔ [خصائص الکبریٰ/ ج:1/ ص:325]

حضور ﷺ نے اپنے ایک گستاخ کو قتل کرنے والے کو یہ انعام عطا فرمایا تمہیں کوئی فتنہ ضرر نہیں دے سکے گا۔

بیہقی نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کیا: "حضور ﷺ کے خلاف بکنے والے کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا۔"

حضرت عمر فاروق ؓ نے حضور ﷺ کا فیصلہ قبول نہ کرنے والے منافق کی گردن اڑا دی۔

نصوص قرآن اور احادیث مبیضہ کی روشنی میں قاضی عیاض، شفا شریف میں لکھتے ہیں۔ وہ سب لوگ جو نبی ﷺ کی گستاخی کریں، سب و شتم کریں، عیب لگائیں یا آپ کی پاک ذات، نسب مبارک، آپ کے دین یا آپ کی کسی عادت میں نقص نکالیں، تعریض کریں یا بطور سب آپ کو کسی سے تشبیہ دیں، شان میں کمی کریں یا آپ کی ذات اقدس میں اعتراض کریں یہ سب باتیں سب و شتم ہیں انکے مرتکب کو قتل کیا جائے گا۔ [شفا شریف/ ج:2/ ص:217]

ابن حاتم طلیطلی اندلسی نے ایک مناظرہ میں از راہ استحقار حضور ﷺ کو علی المرتضیٰ ؓ کا سسر کہہ کر آپ کے زہد کو احتیاج کی بنا پر مجبوری قرار دیا تو اندلس کے تمام فقہاء نے اسے سولی پر لٹکانے کی سزا کا فتویٰ دیا۔

جسٹس میاں نذیر اختر اپنے ایک مقالے میں گراں قدر خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ مسلمہ قانون ہے کہ توہین رسالت کی سزا موت ہے۔ عہد نبوی اور دور صحابہ میں بہت سے مجرموں کو اس جرم میں سزا دی گئی۔ برطانوی اور مغلیہ دور میں بھی توہین رسالت کے مرتکب افراد کو موت کی سزا دی گئی اور کبھی حکومتی سطح پر قانون پر عمل نہ ہو سکا تو مسلمان غازی علم الدین کی پیروی کرتے ہوئے خود ہی توہین رسالت کے مرتکب افراد کو سزا دیتے رہے گویا اس قانون پر امت متفق

ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے۔" [تقریر ایوان اقبال وحی بکر زیت]

جسٹس میاں نذیر اختر کے یہ الفاظ مزید غور و فکر کا تقاضا کرتے ہیں: "یہ قانون چودہ صدیوں سے مسلمانوں کے قلوب پر نقش ہے اگر سزا ختم کی گئی تو فرق یہ پڑے گا کہ غازی علم الدین کی طرح عشاق سزائیں خود نافذ کر لیں گے۔"

سرکار کی عظمت ہے ہمیں سب سے مقدم
پیغام یہ کفار کو سب مل کے سنائیں
جو کوئی بھی مجرم ہے توہین رسالت کا
عبرت کی اسے تصویر بنائیں
زندہ ہیں ابھی عالم اسلام کی مائیں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ﷫ سے ایک موقع پر کسی نے سوال کیا کہ حضور ﷺ کی طرف ایک مقرر نے تکبر کی نسبت کی اس پر آپ نے جواب دیا یہ صریح کفر ہے، ایسے شخص کا ایمان جاتا رہا۔ اس کی عورت اسکے نکاح سے نکل گئی۔ مسلمانوں کا اس سے سلام کلام حرام، اسکے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑے تو اسے پوچھنا حرام، مر جائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے غسل و کفن دینا حرام، مرنے کے بعد اسے کوئی ثواب پہنچانا حرام بلکہ اسکے کفر پر مطلع ہو کر جو اسے مسلمان سمجھتا رہا اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرے بلکہ اسکے کفر میں شک بھی کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ [فتاویٰ رضویہ/ ج:14/ ص:646]

تاریخ بغداد میں یہ روایت موجود ہے: "حضور ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو گالی مت دو اس لیے کہ آخر زماں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو میرے صحابہ کو گالی دے گی اگر وہ بیمار ہو جائیں تو بیمار پرسی نہ کرنا اور اگر وہ مر جائیں تو ان پر نماز جنازہ نہ پڑھنا۔ ان سے نکاح کے رشتے نہ قائم کرنا۔ انہیں وراثت میں حصہ نہ دینا اور انہیں سلام بھی نہ دینا اور ان کے لیے دعائے رحمت بھی نہ کرنا۔ [تاریخ بغداد/ ج:8/ ص:139]

اس حدیث سے حضور ﷺ کی توہین کرنے والے کے لیے نرم دل رکھنے والے کا حکم آپ خود معلوم کر سکتے ہیں۔

اب میں چاہوں گا کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-C کی طرف آؤں لیکن قبل اس کے کہ اس پر تشریحاتی گفتگو کی جائے اس پر دی گئی آئینی توضیح ملاحظہ ہو۔

"The following is the text of 295C PPC which provides for the deatpenalty or life imprisonment for blasphemy.In 1992,by order of the Federal Shariat Court, 295-C PPC was amended to make death the only possible penalty for blasphemy. The National Assembly did not amend the PPC or appeal the decision of the Court in the time allowed by the decision. By order of the Court, failure to amend or appeal the decision in the allotted time resulted in the allowance for life imprisonment to be deemed struck. While the wording hast not changed, death is now the mandatory penalty"

مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295-C توہین رسالت پر عمر قید یا سزائے موت دیتی ہے۔ 1992 میں وفاقی شرعی عدالت کے حکم کے ذریعے 295-C میں توہین رسالت کی سزا کے طور پر صرف موت ہی کو ممکنہ سزا بنانے کی ترمیم کر دی گئی۔ قومی اسمبلی نے عدالت کی جانب سے مقررہ معیاد میں نہ تو قانون میں ترمیم کی اور نہ ہی عدالتی فیصلے کے خلاف اپیل کی گئی۔ عدالتی حکم کے مطابق دیے گئے وقت میں ترمیم یا اپیل نہ کرنے کی صورت میں نتیجۃً عمر قید کی سزا خود بخود کالعدم متصور ہوگی باوجودیکہ عبارت میں تبدیلی نہیں کی گئی۔ اب موت ہی لازمی سزا ہے۔

[مجموعہ تعزیرات پاکستان/ توضیحی نوٹ 295-C]

آئین پاکستان کی یہ شق ملاحظہ کرنے کے بعد یہ حقیقت اظہر

مِن الشمس ہوگئی کہ یہ قانون انسانی ذہن کی پیداوار نہیں اور یہ خیرات میں بھی نہیں دیا گیا۔ اس قانون کے عقب میں اسلامی تحریکات کے اربوں جذبے، قربانیاں اور شہادتیں موجود ہیں جن کے نتیجے میں قرآن وسنت کا نفوذ شرعی عدالت کے ذریعے عمل میں آیا ہے اور آئینی سطح پر اس کی توثیق کی گئی اب یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے کہ توہین رسالت کی سزا قتل صرف آئین پاکستان کی تجویز نہیں بلکہ یہ کتاب وسنت کا سپریم لاء ہے۔ جس کا انکار کفر ہے۔ اسے کالا قانون کہنا رسالت مآب ﷺ کی توہین ہے۔ اسے دقیانوسیت سے تعبیر کرنا جہالت ہے۔ اسے بدلنے کی کوشش احکام رسالت سے بغاوت ہے اور اسے غیر موزوں، غیر صحیح اور نامناسب کہنا مغرب پرستی ہے۔ وہ شخص جو خواہ مخواہ اس میں کیڑے نکالے گا وہ ریاست کا دشمن اور شرعی عدالت کی توہین کا مجرم ٹھہرے گا۔ اس پر دینی حلقے اگر جذباتی ہیں تو وہ 295-C کے الفاظ کے لئے نہیں، قرآن و حدیث کے سینکڑوں شواہد پر جان چھڑکنے کے لئے تیار ہیں اور یہ باتیں اگر کسی کو پسند نہیں تو اس کا کیا کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ سوچنا، سمجھنا اور فیصلہ کرنا انسان کا حق ہے مگر سچائی کو قبول کرنا اس کا فرض ہے۔ مغربی استعمار کی سوچوں کا رخ اپنا ہے لیکن مسلمان اپنی مدنی سوچوں اور افکار کو کسی کی غلامی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے اور یہ بھی صحیح ہے کہ انسان کو صیاد نہیں ہونا چاہیے جو جان وجسم، مال واسباب اور انسانی وقار کو خواہشات کو نشانہ بنائے لیکن وقار و احترام کے محور انبیاء اور مرسلین کی عزت اور ناموس کو نشانہ بنانے کی وحشت کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی۔ روشن خیالات کے نام پر انسانی زندگی کے سمندر میں حضور ﷺ ہی نہیں تمام انبیاء کے ناموس کو مقدس جاننے والی چھوٹی مچھلیاں بڑے وحشی ناگوں کی خوراک نہیں بن سکتیں۔

پروفیسر لاسکی کا کہنا ہے آزادی اس فضا کا نام ہے جسے حقوق پیدا کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ممالک کے اندر دو قسم کے قوانین اس وقت رائج ہیں ''پبلک لاء'' جس کی پابندی سے طاقتور عناصر فرد کی آزادی میں مداخلت سے باز رہتے ہیں دوسرا ''پرائیویٹ لاء'' جس کی رو سے ریاست کے باشندے ایک دوسرے کی آزادی میں مداخلت نہیں کرتے اسلامی ریاست کا قانونی مزاج یہی ہے لیکن اسلام اٹل قانون ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور حضور ﷺ کی ذات پر بحث نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا منزہ عن العیوب ہونا اور حضور ﷺ نہ صرف آپ بلکہ تمام انبیاء معصوم عن الخطاء ہونا تسلیم کیا جاتا ہے، اگر کوئی نقص وعیب کی طرف بڑھے تو اس کا یہ اقدام اس کے اسلام کی چادر کو پھاڑ دیتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں کوئی شخص حضور ﷺ کی توہین کرتا ہے تو پورا معاشرا ایک دوراہے پر کھڑا ہوتا ہے یا وہ اسلام، اسلام کی اعلیٰ اقدار، روشن تاریخ، فقہا کے عدالتی فیصلے، عصمت انبیاء اور اپنے ایمان کے ساتھ چلنا اختیار کرے یا وہ اپنے اسلام سے دستکش ہو جائے دوسری صورت ناممکن، قطعی مشکل، از بس دشوار ہے یہ ہے وہ وجہ کہ اسلامی معاشرے میں گستاخ رسول، رسول کے دامن پر حملہ کر کے عزت نہیں پا سکتا۔ اس گھناؤنے فعل کے ارتکاب کے بعد اس کا جنازہ پڑھنا، اس سے تعلق رکھنا چہ معنیٰ دارد، گل سڑ جانے والا عضو بدن بھی جسم سے جدا کر دینا ناگزیر ہوتا ہے۔

مغرب کے روشن خیال لوگوں کی خدمت میں بھی ہم گذارش کریں گے کہ وہ تورات اور انجیل ہی کا مطالعہ کر لیں۔ کتاب مقدس ص 198 احبار باب 24 آیت 10 تا 17 میں لکھا ہے: ''یہ واقعہ ہے کہ دبری کی بیٹی سلومیت کے بیٹے نے پاک نام پر کفر بکا اور لعنت کی اسے حوالات میں ڈال دیا گیا تا کہ اللہ فیصلہ فرمائے اب موسیٰ کی طرف سے حکم ملا اس لعنت کرنے والے کو لشکر گاہ کے باہر نکال کر لے جا اور جتنوں نے اسے لعنت کرتے سنا وہ سب اپنے اپنے ہاتھ اس کے سر پر رکھیں اور ساری جماعت اسے سنگسار کر دے۔''

سلاطین باب اکیس میں ہے: ''اللہ اور بادشاہ کی توہین کرنے والے کی سزا، سزائے موت ہے۔ دو شریر آدمیوں کو اس مجرم کے سامنے کرو کہ وہ اس کے خلاف گواہی دیں تو نے خدا پر اور بادشاہ پر لعنت کی ہے پھر اسے باہر لے جا کر سنگسار کرو تا کہ وہ مر جائے۔''

بات اصل میں یہ ہے کہ کسی جرم پر مجرم کو سزا دینا اس لئے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ یہ عمل اس شخص کی سوزش قلبی کا علاج ہو جس پر جرم کے ارتکاب سے زیادتی کی گئی ہے۔ جدید قوانین نے بھی اپنی توجہ

اس طرف پھیری ہے کہ وہ جرم جو اجتماعی ناموس کو مجروح کرنے والے ہوں ان کی سزا کڑی رکھی جائے تاکہ معاشرتی بگاڑ کا کلیۃً ازالہ ہو جائے۔ وہ شخص جو توہین رسالت کرتا ہے وہ دراصل رسول کو ماننے والے ہر غلامِ رسول کے گھر میں داخل ہو کر گویا ڈکیتی کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ مفسد فی الارض ہوتا ہے اور یقیناً اس کی سزا قتل ہوتی ہے۔

پاکستان ایک آزاد مملکت ہے۔ اس کے آئین میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی بات کی گئی ہے۔ یہ آزاد ریاست آئینی قدروں کے سائے میں پر سکون آگے بڑھ رہی تھی کہ ایک شیری رحمٰن نامی عورت نے 295-C کے خلاف (قومی اسمبلی میں) ترمیمی بل پیش کر کے معاشرتی پر امن اور پر سکون فضا کو درہم برہم کر دیا۔ بحیثیت رکن اسمبلی ان کو اندازہ کرنا چاہئے تھا کہ ملک میں بسنے والے کروڑوں لوگ جس ہستی پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں آزاد شہری کی حیثیت سے تمام حقوق حاصل ہیں، ان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ جلتی پر تیل سلمان تاثیر نامی ایک شخص کا سیاہ کردار ثابت ہوا۔ عدالت میں حضور ﷺ کی توہین کرنے والی آسیہ نامی ایک عورت کو آزادی دلوانے کے لئے تاثیر نے جس سیاہ کرتوت کا ارتکاب کیا۔ اپنی بیٹی اور بیوی کی معیت میں پاکستان کا عدالتی سسٹم تباہ کر کے ایک گستاخ رسول کا محسن بنا۔ نہ صرف محسن بنا بلکہ توہین رسالت کے قانون کو کالا قانون قرار دیا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی موت سے تین چار دن پہلے جو انٹرویو دیا اس میں اصرار، ڈھٹائی اور ضد کے ساتھ ایک بار پھر توہین رسالت پر تاریخی اعتبار سے جو فیصلے کتاب وسنت کی روشنی میں ہوئے اور مجرموں کو سزائے موت سنائی گئی انکا مذاق اڑایا۔ شرعی عدالت کے فیصلے کو ناموزوں، غیر صحیح اور کالا قرار دیا۔ اس پر حملہ کر کے قتل کرنے والے ممتاز حسین قادری کا بیان ہے کہ صرف اتنا ہی نہیں یہ شخص اپنی عمومی زندگی میں بھی اسلام کا مذاق اڑاتا رہتا تھا۔ اسلام کا ایک عام طالب علم اگر تھوڑی دیر کے لئے سلمان تاثیر کی گورنری کا غلاف اتار دے اور غور وفکر کرے تو بات کو واضح کرنے کے لئے میں اسے کربلا لے جاؤں گا اور اس ماحول میں انسانی ضمیر سے فتویٰ لینا چاہوں گا کہ ایک ایسا شخص ہو جس نے ہندو عورت کے پیٹ سے بچے پیدا کئے ہوں۔ اسکا لخت جگر لکھتا ہو کہ، میرا ابا سور کا گوشت حلال سمجھ کر کھاتا ہے اور اسکی بیٹی کہتی ہو کہ، میرا والد نہ صرف یہ کہ ناموس رسالت کے قانون میں ترمیم چاہتا تھا بلکہ وہ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے والی قانون کی شق کا بھی مخالف تھا۔ اور وہ شراب بھی جائز سمجھ کر پیتا ہو اور دھت رہتا ہو اور اسے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے میں شرم محسوس نہ ہوتی ہو اور وہ مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز سمجھتا ہو اور نہ صرف جائز سمجھتا ہو بلکہ اس نے تجربہ عملی طور پر نبھایا ہو وہ توہین رسالت کے جرم پر قتل کی سزا دینے کے شرعی قوانین کو کالا اور سیاہ قرار دیتا ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک مجرمہ شاتمہ بدکردار عورت کو رہائی دلوانے کی اپنی سی کوشش بھی کی ہو۔ اب میں پوچھنا چاہوں گا کہ آپ اگر کربلا میں حسین کے پرچم تلے کھڑے ہو جائیں تو لگے گا یہ ساری صفات رکھنے والا یزید ہی ہو سکتا ہے۔ سلمان تاثیر کے بارے میں جو کچھ اسکے بیٹے نے لکھا اور جو کچھ اس نے خود بیان کیا وہ کافی ہے۔ ایسے عالم میں یہ کیسے ممکن تھا کہ پاکستان میں یزید کی شناخت غیر ممکن رہتی۔

میرا خیال ہے علمائے اہلسنّت کا فتویٰ پورے تدبر، تاریخی مطالعہ، عمیق تجزیے اور آئینی دائرے میں رہ کر دیا گیا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ علمائے اہلسنّت کو سلمان تاثیر کے خلاف سخت فتویٰ دینے کی بجائے 295-c کے تحت مقدمہ درج کروانا چاہئے تھا۔ یہ مشکل اپنی جگہ کہ کسی منصب پر فائز شخصیت کے خلاف مقدمہ دائر کرنا پاکستان میں کتنا مشکل اور کتنے مالی وسائل کا تقاضا کرتا ہے لیکن چلئے اس کو تھوڑی دیر کے لئے کوتاہی سمجھ لیا جائے تو بھی سپریم کورٹ جو اللہ کے فضل سے اتنی زیرک اور چابکدست ہے کہ اشیائے خورد ونوش کے نرخ میں اضافہ ہو جائے تو سوموٹو ایکشن لے لیتی ہے تعجب ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کے صریح اقدامات کے باوجود نہ عدالت نے سوموٹو ایکشن لیا اور نہ ہی وزارت قانون نے خود مقدمہ درج کروایا۔ حالانکہ آئینی دفعات کے تحفظ کی ذمہ داری تو حکومت کی ہوتی ہے۔ اگر یہ ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والے، مسجدوں میں جلسے کرنے والے، سڑکوں پر ریلیاں نکالنے والے لاکھوں کو شامل تفتیش کیا جائے تو کیا یہ ضروری نہیں کہ صدر، وزیر اعظم،

شیری رحمٰن، وزارتوں، اسمبلیوں اور عدالتوں میں بیٹھے ہوئے تمام افراد شامل تفتیش کر لئے جائیں کہ گستاخ گورنر، چلو اس پر تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ گستاخی کا محض الزام تھا مقدمہ قائم کرنے میں کیوں سستی کی گئی؟ جہاں تک ممتاز حسین قادری کا تعلق ہے اس کے ساتھ ہمارے تعلق کی بنیاد محض دین اسلام کا رشتہ ہے۔ دنیوی اعتبار سے تو ممتاز حسین قادری ہماری نسبت گورنر سے زیادہ قریب تھا۔ جیسے روشنی کو مٹھی میں بند نہیں کیا جا سکتا، ایمان کو زنجیریں نہیں پہنائی جا سکتیں۔ ممتاز حسین قادری نے جو کچھ کیا اس پر ہم اگر جذباتی نہ بھی ہوں تو رحمان ملک نے جو کہا کہ میرے سامنے بھی اگر کوئی حضور ﷺ کی گستاخی کرے میں بھی اسے گولی ماردوں گا۔ تو جناب! رحمان ملک صاحب کا تو ممتاز حسین قادری سے کوئی تعلق نہیں، کچہریوں میں ممتاز حسین قادری کو چومنے والے سینکڑوں وکلاء، علمائے اہلسنّت کے فتوے پر تو اسے چوم نہیں رہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ جس ملک میں قانون کو ویران کرنے کی کوشش کی جائے، قادری ایسے لوگ خود بخود مختلف اقدامات کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

باقی رہا نماز جنازہ پڑھنا...... اس معاملے میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں...... جنازے مسلمانوں کے پڑھے جاتے ہیں...... جنازے اللہ کو ماننے والوں کے پڑھے جاتے ہیں...... جنازے رسول معظم کو رسول جان کر، انکی عزت کرنے والوں کے پڑھے جاتے ہیں...... جنازے اسلام پر دل و جان سے یقین رکھنے والوں کے پڑھے جاتے ہیں...... بلاشبہ گناہ گار لوگوں کو بھی جنازوں کے بغیر پھینک نہیں دیا جاتا لیکن وہ اپنی سرکشیوں پر ڈٹے نہیں، اللہ سے توبہ کرتے رہتے ہیں...... نماز جنازہ تو دعا ہے، مومن کا اعزاز ہے، مسلمان کے لیے تقریب وداع ہے...... جس میں اللہ کی کبریائی کا اظہار ہوتا ہے...... اور امام کے سامنے پڑی مسلمان کی میت کی آرزو ہوتی ہے...... کہ مسلمان اسے دعائے مغفرت سے الوداع کرتے ہیں...... جنازے کی نماز میں حضور ﷺ پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔

درود وسلام تو عاشقوں کا وظیفہ محبت ہے۔ قرآن حکیم میں درود والی آیت کے معاًبعد حضور ﷺ کو دکھ دینے والوں کو لعنتی کہا گیا ہے۔ سو اصحاب لعنت پر نماز جنازہ کی خوشبوئیں کیسے چھڑکی جا سکتی ہیں؟ اے کاش جتنے سلمان تاثیر کے چاہنے والے ان کی نماز جنازہ کے لیے تڑپ رہے ہیں وہ خود بھی اس وقت کو یاد رکھ لیتے۔ تاثیر نے تو پنجاب یونیورسٹی میں توہین رسالت کے قانون پر اظہار ضد کرتے ہوئے ایک طالب علم جس نے آیت پڑھی تھی: ”اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَھْزِءِیْنَ ۝“ [الحجر:95] ترجمہ: مذاق کرنے والوں کے لئے ہم کافی ہیں۔ بڑے تکبر سے کہہ دیا تھا کہ میں مانتا ہوں وہی کافی ہے ہمیں قانون توہین بنانے کی کیا ضرورت ہے پھر اللہ نے تاثیر کو بتا دیا کہ وہ کافی ہے۔

ایک بات ضروری سمجھتا ہوں کہ علماء کو منظور ہوگا عدالت ممتاز حسین قادری کو نکل آؤٹ کر کے سلمان تاثیر کے گستاخانہ لفظوں کا جائزہ لے کہ وہ توہین رسالت بنتی ہے یا نہیں۔ اگر سلمان تاثیر مجرم ثابت ہو جائے تو جنہوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ وہ سب توبہ کریں کہ گستاخ رسول کیساتھ یہ عقیدت کیسی؟ اور یہ بھی کہ ممتاز حسین قادری کو بری کر دیا جائے یقیناً عدالتوں کے جج جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی پسند کدو کے مقابلے میں کدو کو پسند نہ کرنے والے کو امام ابو یوسف نے کافر اور مرتد قرار دیا تھا۔ علماء کے نزدیک سلمان تاثیر کا مجرم ہونا بھی مسلمہ ہے۔

یہ بھی کہہ دوں کہ فتویٰ تلوار نہیں، لڑائی نہیں، جھگڑا نہیں کسی کی حق تلفی نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے صادر ہونے والے احکام اور ہدایات کی ترسیل کا دوسرا نام ہے فتویٰ نسل انسانی کو الوہی ہدایات کے معاملے میں احتیاط سکھانے کا منہاج قویم ہے۔ فتویٰ کتاب و سنت کو معیار زندگی قرار دینے کی جرأت ہے۔ صاحب فتویٰ دراصل عظمتوں کے ہمالہ پر فائز ہوتا ہے اس کے لئے مشکل ہوتا ہے کہ وہ رسول پیوستگی کے مقام محمود کو چھوڑ کر قعر مذلت میں جا گرے۔ فتویٰ چھری نہیں، چاقو نہیں، بندوق نہیں اور دھماکہ خیز مواد بھی نہیں لیکن علم و دانش اور عقل و بصیرت، روایت و درایت اور آیات و احادیث کے تاریخی ریکارڈ کے ساتھ حق و حقیقت سے ملحق رہنے کا نام فتویٰ ہے۔

”جماعت اہل سنت پاکستان کے پانچ سو مفتیان کرام“ صرف عدد بیانی ہے وگرنہ ہزاروں ائمہ اور مفتیان دین متین رسول کریم

ﷺ کے گستاخ کے بارے میں نرمی کا سوچ بھی نہیں سکتے ۔رہ گئے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے، بلکے تو ان سب کا معاملہ ہم اللہ پر چھوڑتے ہیں اور قارئین کو رسول کریم ﷺ کے ناموس کے معاملے میں اللہ یاد کرانے کے لئے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اللہ کی کتاب میں ایک سورت سورہ لہب نام کی بھی اتری ہے، جو ہمیں سکھاتی ہے کہ وہ رشتہ داریاں اور تعلق جن میں ایمان و عقیدہ نہ ہو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مردان خدا ہمیشہ منحرف، جبار اور سرکش لوگوں کی بدتمیزیوں کے خلاف برسرپیکار رہتے ہیں کیوں نہ وہ لوگ ان کے رشتہ دار ہی ہوں سورہ لہب اعلان کرتی ہے ابولہب کے ہاتھ تو ڑ دیئے گئے ہیں ۔کفر، گستاخی اور بدی دریا کی جھاگ کی طرح ابھرتے ہیں لیکن انکا منطقی انجام قعر مذلت ہوتا ہے۔قرآن کریم کا یہ حصہ ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ گستاخوں کے ساتھ مداہنت برتنے کی تمام رسیاں کاٹ دی گئی ہیں۔

سورہ لہب گستاخ رسول ﷺ کے لئے ایک سنگین تعزیر بھی ہے اور عشق رسول ﷺ رکھنے والوں کیلئے درود و سلام کا ایک آہنگ بھی۔آؤ سورہ لہب پڑھ کر اس بات کا اظہار کریں کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں کی جانے والی تمام گستاخیاں، بے باکیاں اور بدتمیزیاں قعر مذلت میں پھینک دی گئی ہیں اب ہم قرآن مجید کا یہ اعلان سمع واطاعت کے جذبے سے سنتے ہیں کیوں نہ کوئی ملت فروش، چشم پوش اور شیدائے ناؤنوش اس کو برا جانے۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ ہلاک ہو ہی گیا اسے اسکا مال کچھ کام نہ آیا اور نہ ہی وہ جو اس نے کمایا وہ جلد ہی اس آگ میں جا ملے گا جس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اسکی وہ بیوی بھی جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے۔اس کے گلے میں کھجور کی چھال کی رسی ہے۔

اے میرے اللہ!......تو نے جیسے ابولہب کو گستاخیوں کی وجہ سے بھڑکتی آگ میں جھونکا......آج بھی ہر رشدی ملعون کے لئے آگ کے شعلے بھڑکا......وہ قوم جو تیرے نبی کے خاکے بنا کر تیری قدرت کا مذاق اڑائے......اس پر آگ برسا، شعلے بپا کر......انہیں دوزخ کا ایندھن بنا......یا......عشاق کے بازوؤں میں توانائی پیدا کر......کہ وہ گندی قوم کا احتساب خود کر سکیں......ہمارے رب!......تو نے ام جمیل کی گندی گردن میں رسے ڈالے......تیرے جلال کا تجھے عظیم واسطہ ......ہر تسلیمہ نسرین کی گردن میں بٹے ہوئے رسے ڈال......مسلمانوں کو شعور عطا فرما......کہ......وہ سمجھیں......وہ جانیں......انکا عقیدہ ہو ......محکم ایمان......مضبوط نظریہ......ناقابل شکست تصدیق......

آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است

☆......☆......☆......☆

☆......بقیہ: رضائے مصطفیٰ ﷺ......☆

کہ یہ (اثر ابن عباس) خبر دیتا ہے کہ زمین سے نہ جواب دیا مگر اُس نے جس سے رسول اللہ ﷺ کا جسد مبارک تیار ہوا، اور وہیں سے ہی زمین بچھائی گئی، پس رسول اللہ ﷺ تکوین کی اصل ہیں اور کائنات آپکے تابع ہے۔

مذکور اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مدفن مکہ معظمہ ہو جیسا کہ حدیث پاک ہے: انسان کے خمیر کی مٹی جس جگہ سے لی جائے اُس کا مدفن بھی وہاں ہی ہوتا ہے لیکن محققین فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ کے خمیر کو طوفانِ نوح علیہ السلام کی موج سے اُس مقام پر پہنچایا گیا جہاں اب مدینہ طیبہ ہے۔جیسے کعبہ کو آپ ﷺ کے خمیر کی برکت سے شرف ملا ایسے ہی مدینہ طیبہ کی اس جگہ کو شرف حاصل ہوا جو آپ کے جسدِ اطہر سے مَس ہو رہی ہے، اس کی برکت سے تمام مدینہ بلکہ پوری زمین مستفیض ہو رہی ہے۔(المواہب اللدنیہ)

فائدہ: آپ کے مبارک خمیر کو اس لئے منتقل کیا گیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و تکریم مکہ معظمہ کے طفیل نہ ہو، کیونکہ آپ کسی کے طفیلی نہیں بلکہ کُل کائنات آپ ﷺ کے طفیل قائم و دائم ہے، آپ ہی کی برکت سے فیض حاصل کر رہی ہے۔ بخاری شریف میں ہے، مومنوں کی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے باعثِ تخلیقِ کائنات ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: مَا اَرَی رَبَّکَ اِلَّا یُسَارِعُ فِی هَوَاکَ [صحیح بخاری و مسلم] یعنی، میں تو دیکھتی ہوں کہ آپ کا ربّ آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔حق یہی ہے......خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

رحمۃ للعالمین ﷺ



ازافادات: اعلیٰ حضرت امام
احمد رضا قادری علیہ الرحمہ
ترتیب: علامہ محمد عیسیٰ قادری

حضور اقدس سرورِ کونین ﷺ نعمت اللہ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور کے دستِ رحمت میں دونوں جہاں کی نعمتیں رکھ دی ہیں۔ حضور مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ اپنے خزانۂ کرم سے جسے چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں قسمت والوں کو عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالقِ نعمت ہے، اس نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو مالکِ نعمت بنا دیا ہے جو کچھ ملے گا وہ حضور کے دستِ فیض سے ملے گا۔ حضور سید عالم ﷺ کی عطا و بخشش سے نعمتیں ملنے کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ''جو نعمت ملی وہ مصطفیٰ ﷺ کے باعث حاصل ہوئی، بارگاہ الٰہی کا لینا دینا سارا کارخانہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر ہے۔ تمام جہان اور اس کا قیام سب انہیں کے دم قدم سے ہے عالم جس طرح ابتدائے آفرینش میں ان کا محتاج تھا کہ لولاک ما خلقت الدنیا یوں ہی بقا میں بھی ان کا محتاج ہے آج اگر ان کا قدم درمیان سے نکال لیں ابھی ابھی فنائے مطلق ہوجائے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

اللہ ورسول نے دولت دی: قال ربنا تبارک وتعالیٰ: ''وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ'' [التوبہ:74] ترجمہ: اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ انہیں دولت مند کردیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔ اللہ فرماتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے دولت مند کردیا اپنے فضل سے۔ اے اللہ کے رسول مجھے اور سب اہلسنّت کو دین و دنیا کا دولت مند فرما اپنے فضل سے ﷺ

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا

''وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝'' [التوبہ:59] ترجمہ: اور کیا خوب تھا اگر وہ راضی ہوتے خدا اور رسول کے دیئے پر اور کہتے اللہ کافی ہے اب دے گا اللہ ہمیں اپنے فضل سے اور اس کا رسول بے شک ہم اللہ کی طرف رغبت والے ہیں۔ یہاں رب العزت جل وعلا نے اپنے رسول ﷺ کو بھی دینے والا فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی کہ اللہ ورسول سے امید لگی رکھو کہ اب ہمیں اپنے فضل سے دیتے ہیں ﷺ۔

''اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ'' [الاحزاب:37] ترجمہ: اللہ نے اسے نعمت بخشی اور اے نبی تو نے اسے نعمت دی۔

حضور نے نعمت دی: حضور پرنور ﷺ نے سیدنا وابن سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں فرمایا: ''احب اهلی من قد انعم اللہ علیه وانعمت علیه۔'' مجھے اپنے گھر والوں میں سب سے پیارا وہ ہے جسے اللہ ﷻ نے نعمت دی اور میں نے نعمت دی۔ امام ترمذی نے اسے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں: ''صحابہ سب ایسے ہی تھے جنہیں اللہ نے نعمت بخشی اور اللہ کے رسول ﷺ نے نعمت بخشی مگر یہاں مراد وہ ہے کہ جس کی تصریح قرآن عظیم میں ارشاد ہوئی کہ جب فرماتا تھا تو اس سے جسے اللہ تعالیٰ نے نعمت دی اور اے نبی تو نے نعمت دی اور وہ زید بن حارثہ ﷺ ہیں اس میں کسی کا خلاف نہ اصلاً شک اور آیت اگرچہ زید ﷺ کے حق میں اتری مگر سید عالم ﷺ نے اس کا مصداق اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ٹھہرایا کہ پسر تابع پدر ہے اسے مرقاۃ میں افادہ کیا گیا ہے۔

اقول: نہ صرف صحابہ بلکہ تمام اہل اسلام اولین وآخرین ایسے ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نعمت دی اور رسول اللہ ﷺ نے نعمت دی، پاک کردینے سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی کہ: ''ویزکیھم'' یہ نبی انہیں پاک اور ستھرا کردیتا ہے بلکہ لا واللہ تمام جہان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس پر اللہ کا احسان نہ ہو اللہ کے رسول کا احسان نہ ہو فرماتا ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ o'' [الانبیاء:107] ہم نے نہ بھیجا تمہیں مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ جب وہ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں تو قطعاً سارے جہان پر ان کی نعمت ہے ﷺ۔ اہل کفر واہل کفران اگر نہ مانیں تو کیا نقصان۔

راست خواہی ہزار چشم چنان
کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

نعمت رزق: فرماتے ہیں ﷺ: ''من استعملنا علی عمل فرزقناہ رزقا'' الحدیث، ترجمہ: جسے ہم نے کسی کام پر مقرر کیا پس ہم نے اسے رزق دیا۔ ابوداؤد وحاکم نے بسند صحیح بریدہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی۔

حضور نے برکت دی: سید عالم ﷺ نے اہل مدینہ سے ارشاد فرمایا: ''اصبروا وابشروا فانی قد بارکت علی صاعکم و مدکم۔''
ترجمہ: صبر کرو اور شاد رہو کہ بے شک میں نے تمہارے رزق کے پیمانوں پر برکت کردی ہے۔ احمد نے اپنی مسند میں اسے امیر المؤمنین عمر ﷺ سے روایت کیا۔ [الامن والعلی]

دولت ونعمت: کوئی دولت، کوئی نعمت، کوئی عزت، جو حقیقۃً نعمت وعزت ودولت ہو ایسی نہیں کہ اللہ ﷻ نے کسی اور کو دی ہو اور حضور اقدس ﷺ کو عطا نہ کی ہو۔ جو کچھ جسے عطا ہوا ہے یا عطا ہوگا دنیا میں یا آخرت میں وہ سب حضور کے صدقہ میں ہے، حضور کے طفیل میں ہے، حضور کے ہاتھ سے عطا ہوا۔ حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں: ''انما انا قاسم واللہ المعطی'' ترجمہ: دینے والا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:11، ص:36]

امام احمد رضا بریلوی ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں دین ودنیا، جسم وجان میں جو نعمت کسی کو ملی اور ملتی ہے اور ابداً آباد تک ملے گی سب حضور اقدس خلیفۃ اللہ الاعظم ﷺ کے وسیلے اور حضور کے مبارک ہاتھوں سے ملی اور ملتی ہے اور ابداً آباد تک ملے گی: ''انما انا قاسم واللہ المعطی'' ترجمہ: دینے والا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں ﷺ۔ بایں ہمہ جو نعمت ہے اللہ ﷻ کے محض فضل وکرم سے ہے، حضور اقدس ﷺ کا وسیلہ وواسطہ وقاسم ہر نعمت ہونا محض فضل وکرم الٰہی جل وعلا ہے: ''فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ ج'' [آل عمران:159] ترجمہ: اے محبوب اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ تم ان کیلئے نرم ورحیم ومہربان ہوئے۔ [فتاویٰ رضویہ، ج:9، ص:460]

(امام احمد رضا) ایک مقام پر اور فرماتے ہیں: ''امام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی مواہب اللدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں، نبی ﷺ خزانہ راز الٰہی وجائے نفاذ امر ہیں کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے ﷺ۔ [الامن والعلی]

نعمت ایجاد ونعمت امداد: شرح سیدی عثماوی میں ہے: کوئی موجود دو نعمتوں سے خالی نہیں، نعمت ایجاد ونعمت امداد اور ان دونوں میں نبی ﷺ ہی واسطہ ہیں کہ حضور پہلے موجود نہ ہولیتے تو کوئی چیز وجود نہ پاتی اور عالم کے اندر حضور کا نور موجود نہ ہو تو وجود کے ستون ڈھے جائیں تو حضور ہی پہلے موجود ہوئے اور تمام جہاں حضور کا طفیل اور حضور سے وابستہ ہوا جسے کسی طرح حضور سے بے نیازی نہیں۔ [صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ]

ازل سے ابد تک کی نعمتیں: امام احمد رضا بریلوی ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں: ''اللہ ﷻ فرماتا ہے: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ o'' [الانبیاء:107] ترجمہ: اے محبوب ہم نے تجھے نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ عالم ماسوائے اللہ کو کہتے ہیں جس میں انبیاء وملائکہ سب داخل، تو لاجرم حضور پرنور سید المرسلین ﷺ ان سب پر رحمت ونعمت رب الارباب ہوئے اور وہ سب حضور کی سرکار عالم مدار سے بہرہ مند وفیض یاب۔

اس لئے اولیاء کرام وعلمائے کاملین تصریح فرماتے ہیں کہ ازل سے ابد تک، ارض وسماء میں، اولیٰ وآخرت میں، دنیا ودین میں، روح وجسم میں چھوٹی یا بڑی، بہت یا تھوڑی جو نعمت ودولت کسی کو ملی یا اب ملتی ہے یا آئندہ ملے گی، سب حضور کی بارگاہ جہاں پناہ سے بٹی اور بٹتی ہے اور ہمیشہ بٹے گی۔ [تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین]

ایک دوسرے مقام پر امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں: "نصوص متواترہ و اولیا کرام و ائمہ عظام و علمائے اعلام سے مبرہن ہو چکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی و دنیوی، ظاہری یا باطنی روز اول سے اب تک، اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، ملک یا انسان، جن یا حیوان بلکہ تمام ماسوا اللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی اس کی کلی انہیں کے صبائے کرم سے کھلی اور کھلتی ہے اور کھلے گی، انہی ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے یہ سر الوجود و خلیفۃ اللہ الاعظم وولی نعمت عالم ہیں ﷺ۔

یہ خود فرماتے ہیں: "انا ابو القاسم اللّٰہ یعطی و انا اقسم"

ترجمہ: میں ابوالقاسم ہوں اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ ان کا رب ﷻ فرماتا ہے: "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" [الانبیاء: 107] ہم نے نہ بھیجا تمہیں مگر رحمت سارے جہان کیلئے [جزاء اللہ عدوہ باباہ ختم النبوۃ]

دینی و دنیوی نعمتیں: امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ ایک موقع پر فرماتے ہیں: "حضور پر نور ﷺ خلیفۃ اللہ الاعظم و محسن و منعم تمام عالم ہیں، حضور کے احسانات کہ بے حد و غایات ہیں دو قسم پر ہیں۔

دینیہ: کہ اولین و آخرین حتی کہ انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین، جس نے جو نعمت ایمان و دولت عرفان پائی حضور خلیفۃ اللہ الاعظم ﷺ ہی کے ہاتھوں سے ملی، حضور ہی کی بدولت ہاتھ آئی، ولہذا تمام انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے سید عالم ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا۔ اور

دنیویہ: پھر دو قسم ہیں:

اول عامہ باطنہ: کہ حضور اقدس ﷺ بحکم خلافت رب العالمین جل وعلا جملہ نعمت ہائے الٰہیہ کے قاسم ہیں۔ خود فرماتے ہیں ﷺ: "انما انا قاسم واللّٰہ المعطی" ترجمہ: بانٹنے والا میں ہوں اور دینے والا اللہ ﷻ۔ روز اول سے آج تک، آج سے روز قیامت تک، روز قیامت سے ابد الآباد تک جو نعمت جسے ملی یا ملتی ہے یا ملے گی مصطفیٰ ﷺ کے دست قدس سے بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی۔ جس طرح دین و ملت و اسلام و سنت و صلاح و عبادت و زہد و طہارت و علم و معرفت یہ سب نعمہائے دینیہ ان کی عطا فرمائی ہوئی ہیں۔ یوں ہی مال و دولت، شفاء و صحت، عزت و رفعت، امارت و سلطنت، فرزند و عشیرت یہ سب نعم دنیویہ بھی انہیں کے دست اقدس سے ملی ہیں۔ اللہ ﷻ فرماتا ہے: "اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ" [التوبہ: 74] ترجمہ: انہیں غنی کر دیا اللہ و رسول نے اپنے فضل سے اور فرماتا ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝" [التوبہ: 59] ترجمہ: اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اللہ و رسول کے دیئے پر راضی ہوتے اور کہتے ہیں خدا کافی ہے اب دے گا ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول، ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

دوم خاصہ ظاہرہ: کہ حضور اقدس ﷺ بکمال رحمت و رافت ظاہر بشریت کی طرف تنزل فرما کر اپنے غلاموں، کنیزوں سے حسب عرف و عادت باہمی معاملت فرماتے جیسے انس بن مالک ؓ خادم سرکار کی روٹی سرکار سے مقرر تھی۔ حالانکہ واللہ تمام جہان کو روٹی سرکار ہی سے ملتی ہے لوگوں کو مانگے اور بے مانگے بے شمار نعمتیں عطا فرما دیں۔

حضور اقدس ﷺ کی پہلی دو قسم کی نعمتیں ہرگز اس قسم سے نہیں جن کا کوئی بدلہ دے سکے، نعم دینیہ کا معاوضہ نہ ہو سکنا تو ظاہر اور نعم عامہ باطنہ دنیویہ بحکم خلافت رب العزت ہیں اللہ ﷻ کو کون عوض دے؟ ہاں قسم سوم ہی کی نعمتیں کہ باہمی معاملات عرفیہ کے طور پر تھیں صالح عوض و مجازات ہیں۔ [ماخوذ از حیات اعلیٰ حضرت، ج: 1]

یارسول اللہ ﷺ
تیرے چاہنے والوں کی خیر

سیدی اعلیٰ حضرت ﷺ

ڈاکٹر محمد ہارون، انگلینڈ
مترجم: ڈاکٹر ظفر اقبال نوری

امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کی عالمی اہمیت

ڈاکٹر محمد ہارون 1944ء میں لیور پول (انگلینڈ) کے ایک انگریز گھرانے میں پیدا ہوئے اور 26/فروری 1998ء میں وصال فرمایا۔ ابتدائی تعلیم لیور پول گرامر اسکول سے حاصل کی۔ 1966ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے تاریخ میں فرسٹ کلاس آنرز اور 1970ء میں ''قرون وسطیٰ کی برطانوی تاریخ'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ بعدازاں کیمبرج یونیورسٹی ہی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ سیاسی سطح پر اشتراکیت اور لیبر پارٹی سے وابستگی اختیار کی۔ تحقیق و جستجو کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، عالمی سیاست، تاریخ، ثقافت، مذاہب اور نظریات کا گہرا مطالعہ فرمایا۔ اسلام کے تاریخ کے تناظر میں مطالعہ، انسانی ہمدردی اور غریب پروری، صوفیائے کرام کی تعلیمات اور معاشرتی خدمات، مسلم معاشرہ کے مشاہدے نے ڈاکٹر صاحب کو متاثر کیا اور آپ 20/جون 1988ء کو مشرف با اسلام ہوگئے۔

1989ء میں رضا اکیڈمی، برطانیہ کے احباب کی کاوشوں سے امام احمد رضا کی دینی و علمی خدمات سے متعارف ہوئے۔ حضرت امام کی کتب کے تراجم کا مطالعہ کیا، رضا اکیڈمی، برطانیہ میں شمولیت اختیار کی، اکیڈمی کے ماہنامے The Islamic Times کے مستقل مقالہ نگار تھے بعدازاں ماہنامے کے سرپرست بھی منتخب ہوئے۔ اسلامی موضوعات پر 20/کتب اور تقریباً 200/مقالاجات تحریر فرمائے۔ قرآن مجید کے 20/پاروں کا انگریزی ترجمہ اور 5/پاروں کی تفسیر بھی لکھی۔

ڈاکٹر صاحب سچے عاشق رسول ﷺ، متبع سنت، مادی دنیا میں اسلام کے آفاقی و روحانی پیغام کے داعی، بلاد مغرب میں فکر رضا کے ترجمان تھے۔ آپ حضور غوث اعظم، امام محمد غزالی اور امام احمد رضا ﷺ سے قلبی عقیدت رکھتے تھے۔ آپ نے امام احمد رضا کے رسالے ''تدبیر فلاح و نجات و اصلاح'' پر 5/مقالے لکھے اور امام احمد رضا پر متعدد کتب و مقالہ جات بھی تحریر فرمائیں۔ جن میں سے ایک The World Importance of Imam Ahmed Razá ''امام احمد رضا کی عالمی اہمیت'' قارئین کے ذوق مطالعہ کی نظر ہے۔............ ادارہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ہندوستان کے معروف سنّی عالم تھے۔ وہ 1856ء میں پیدا ہوئے اور 1921ء میں انہوں نے وصال فرمایا۔ وہ اپنے دور میں اہلسنّت کے امام تھے اور اس قدر عظیم تھے کہ انہیں اسلامی صدی کے مجدد کے لقب سے پکارا گیا۔ اسلامی صدی کا مجدد وہ ہوتا ہے جو اپنے دور کے تمام لوگوں میں اہم ترین شخصیت ہو۔ پہلی صدیوں کے مجددین امام غزالی علیہ الرحمہ کی طرح کے لوگ تھے۔ جنہوں نے اپنے زمانے میں عظیم ترین اہمیت کے مراتب حاصل کیے، مثلاً امام غزالی وہ شخصیت ہیں جن سے یورپ نے فلسفہ سیکھا

اس مقالے کا مقصد تمام دنیا کے لئے امام احمد رضا بریلوی کی تعلیمات و نظریات کی اہمیت واضح کرنا ہے۔ کوئی بھی شخص دنیا بھر کیلئے اہم ہوتا ہے اگر اس کے یہاں اپنے دور کے اہم ترین مسائل کا حل موجود ہو۔ کارل مارکس یا لینن عالمی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے تھے کیونکہ ان کے افکار و نظریات تمام انسانیت کی رہنمائی کرتے محسوس ہوتے تھے۔ اس مقالے میں ہم ثابت کریں گے کہ امام احمد رضا نے اپنے افکار و تعلیمات سے اس صدی کے اہم ترین مسائل کا حل پیش فرمایا ہے۔ ہماری صدی بھی امام احمد رضا کی صدی ہے۔ اور ہماری دنیا کو بھی اسی طرح کے مسائل درپیش ہیں جس طرح کے امام احمد رضا کے وقت میں تھے۔ اس لئے امام احمد رضا کی اہمیت آج ہمارے لئے بھی اتنی ہی ہے جس قدر 1921ء میں ان کے وصال کے وقت کے لوگوں کیلئے تھی۔

بہتر ہوگا کہ ہم اپنے مقالے کا آغاز عہد جدید کے مرکزی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش سے کریں۔ یہ جدید دور نئی تہذیب کی کامیابی پھر ناکامی کا دور ہے۔ سو سال پہلے سائنس پر بہت گہرا اعتقاد تھا اس وقت سے اب تک ہم سائنس کی تنگ دامنی اور بہتر دنیا کی تعمیر میں ناکامی کا مشاہدہ کرچکے ہیں بلکہ سائنس نے اور بھی نئے خدشات کو جنم

دیا ہے جس سے سائنس پر یقین ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ اس عہد میں سرمایہ داری کا بحران بھی دیکھا ہے اور سرمایہ داری کے مغربی متبادل کی ناکامی بھی، کمیونزم ناکام ہو گیا ہے، سفید نسلی تعصب اپنی تمام تر دہشتوں کے ساتھ نازی ازم میں ملاحظہ کیا جا چکا ہے اور ایک جماعتی اجتماعیت کے نظریے نے بھی تصور سے کہیں بڑھ کر خوف پیدا کیا ہے۔ جدید زمانہ ایسا زمانہ ہے، جس میں جدید ثقافت بھی ناکام ہو گئی ہے، یہ عہد یورپ اور بقیہ دنیا دونوں میں جدید ثقافت کی تخریب کا عہد ہے، یہ عہد ہر طرف الحاد کے عروج کے ساتھ مذہب کی موت کا عہد ہے بلکہ اس سے بھی اہم دنیا میں موجود مذاہب کے زوال کے سبب مذاہب کے نئے نئے گھٹیا نمونوں کے ظہور کا عہد ہے، یہ عہد بھیڑیے کی سی چال کی ذہنیت والی اجتماعی تحریکوں، فرد کی تذلیل کا عہد ہے۔ جیسے ہم نے پہلے ذکر کیا ایک جماعتی اجتماعیت کے ذریعے انسان کی شرمناک کارستانیوں کا عہد ہے۔

جدید دور نے ان تمام جدتوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا مسلم دنیا کو خاص طور پر متاثر کیا ہے۔ یہ جدید دور اسلام، اہل اسلام اور روح انسانی سب کے لئے گہری تاریک رات ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں مغرب نے روایتی مسلم معاشرہ کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ اس کی وجہ مسلم سیاسی قوت کا زوال اور ان مسلمانوں کی روحانی سرافگندگی ہے جنہوں نے مغرب کو قبول کیا اور اس کی پیروی کی، اس کی ستائش کی اور پرستش کی۔ یوں دنیا سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا تصور معدوم ہو گیا اور متعصب لادینیت اور دہریت نے اس کی جگہ لے لی۔ اسی سے وہابیت نے جنم لیا، یہاں اسلام دین کی حیثیت سے ختم ہو گیا اور جدیدیت کی صورت میں مغرب کی بھونڈی تقلید اور بنیاد پرستی کی صورت میں کمیونزم اور فاشسزم طرز کی سماجی تحریک اس کی متبادل بن گئی۔ روایتی معاشرہ تباہ ہوا اور اس کی جگہ مغرب کا درآمد شدہ نوآبادیاتی نسلیت پرست اور سرمایہ دارانہ معاشرہ آ گیا اور پھر جب مغرب خود ہی ناکام ہو گیا تو اب ہم ان تمام کھنڈرات کے بیچ کھڑے ہیں جنہیں مغرب نے کمیونزم سے فاشسزم، فاشسزم سے نیشنلزم اور نیشنلزم سے کیپٹلزم کی شکل میں تعمیر کرنے کی کوشش کی۔

عالمی حیثیت کی حامل وہی شخصیت ہو سکتی ہے جو دور جدید کی خوفناک شکستوں اور ناکامیوں میں انسانیت کی رہنمائی کی اہلیت رکھتی ہو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی زندگی کے اصل کام کو اختصار سے بیان کرنا بہت آسان ہے۔ جنہوں نے تمام عمر اہلسنّت کے عقائد کے مطابق اسلام اور اسلامی سوسائٹی کا جدید دنیا کے حملوں کے خلاف دفاع کیا۔ خاص طور پر ان اندرونی حملوں کے خلاف جو ان مسلمانوں کی طرف سے تھے جن کا مقصد اہلسنّت کے عقائد کے مطابق اسلام سے جان چھڑا کر ایک نئی چیز کو رائج کرنا تھا۔ اہلسنّت کے عقائد کے مطابق اسلام اور اسلامی سوسائٹی کے دفاع کی کاوشیں ہی امام احمد رضا کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔ یہ عالمی اہمیت امام احمد رضا کے عالم دین ہونے اور سنی عالم کی حیثیت سے کام کرنے سے شروع ہوئی، انہوں نے زندگی بھر ایک عالم ہی کی حیثیت سے کام کیا، انہوں نے ہر اس شخص کے سوالوں کے جواب دیئے جس نے ان سے رابطہ کیا، ان کا کردار اسلام کا گہرا علم رکھنے والے ایک دانشور کا کردار تھا، انہوں نے بطور ایک روایتی اسلامی اسکالر تعلیم پائی تھی اور اس میں بھی بے پناہ وسعت تھی۔ وہ مختلف اسلامی اور دوسرے علوم میں ماہر تھے۔ جن میں اسلامی مذہبی علوم وفنون کے علاوہ ریاضی وفلکیات بھی شامل تھے۔ ایک متبحر تعلیم یافتہ عالم کی حیثیت سے محض تحقیق طلب سوالوں کے جواب لکھ کر دنیا کو متاثر کرنا شاندار اہمیت رکھتا ہے۔

آج کل اجتماعی تنظیم سازی کا ایسا دور ہے جس میں وسیع دفتری نظام نے فرد کو نگل لیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس طرز پر کام کرنے سے انکار کیا ہے، ان کے دور میں اجتماعی تحریکیں ابھرنا شروع ہو چکی تھیں مگر وہ کسی کے قریب تک نہ گئے۔ انہوں نے کبھی بھی ایک بیوروکریٹ سیاستداں یا منتظم بننے کی خواہش نہ کی۔ اس اجتماعی تنظیم سازی کے تصور کو مودودی کی طرح کے لوگ اسلام میں داخل کرنے کا سبب بنے۔ امام احمد رضا نے شروع دن ہی سے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے اجتماعی تحریکوں مثلاً تحریک خلافت وغیرہ میں شمولیت سے انکار کیا اور ان تحریکوں کے لئے خود کوئی اجتماعی تحریک ترتیب دینے سے بھی مجتنب رہے۔

آج کے جدید دور کا انسان اندر سے مر چکا ہے کیونکہ آج اچھے

فرد کی مانگ نہیں رہی بلکہ محض ایسا فرد درکار ہوتا ہے جو نعرہ لگائے اور جس طرح اسے کہا جائے عمل کرتا رہے۔ امام احمد رضا نے بتایا کہ عصر جدید میں فرد کو یوں مرجانے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے عالمانہ رائے دیتے ہوئے بڑی سادگی سے اپنا کام کیا۔ ہٹلر، اسٹالن اور اجتماعی تشہیر کے اس دور میں آج بھی اچھے فرد پر بھروسہ کرنے کی عالمی اہمیت ہے۔ یہ دور حکمت و دانائی کی موت اور شعبہ جاتی تخصص کا دور بھی ہے۔ پہلے زمانے کے مقابلے میں آج ایک طالب علم کم سے کم شے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانتا ہے۔ یونیورسٹی ایسی جگہ قرار پائی ہے جہاں پروفیسر بھی اپنے چھوٹے سے مخصوص مضمون کے بارے میں کافی علم نہیں رکھتا، کیمبرج یونیورسٹی میں حکمت و دانش کا کوئی پروفیسر نہیں ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمان اپنے ماضی سے کٹ چکے ہیں، کسی بھی روایتی تعلیم یا علم کا وجود اب کم ہی نظر آتا ہے۔ اب پڑھا لکھا طبقہ سابقہ ادوار کے روایتی علوم اور حکمت و دانش کو چھوئے بغیر محض اپنے محدود مضامین کا مطالعہ کرتا ہے۔ ایک ماہر فلکیات صرف فلکیات کا علم رکھتا ہے، اسے اس حکمت و دانش کی ذرہ بھر خبر نہیں ہوتی جو دوسو سال قبل کے ماہر فلکیات کو حاصل تھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی اس علمی روایت کے لئے سامنے آئے جو مغرب میں اپنی موت مرچکی تھی۔ ان کا مقصد علم کو ممکنہ حد تک وسیع کرنا تھا، ایسا علم جس کا ایک ہزار سالہ قدیم روایت سے گہرا رابطہ تھا۔ امام احمد رضا اپنی کتابوں میں ایک ہزار سال پہلے تک کے مصنفین کے حوالے دیتے تھے۔ امام احمد رضا بریلوی فلکیات، سیاسیات بلکہ بینکاری اور کرنسی تک کے سوالوں پر بھی سیر حاصل عالمانہ رائے دیتے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ روحانی وجدان سے متعلق مشکل ترین سوالات پر بھی تبصرہ و تجزیہ کرنے کی اہلیت رکھتے تھے، بلاشبہ امام احمد رضا اپنے اسلامی دور میں صدیوں پرانی ثقافت کا دفاع کر رہے تھے۔ آج کی ثقافت تو بالکل بے بنیاد ہوکر رہ گئی ہے۔ ادب اور آرٹ کا ماضی کی روایات سے رابطہ منقطع ہوچکا ہے۔ آج یورپی مصوری اور شاعری پچاس سال پہلے کی روایت کی پاسداری نہیں کررہی جبکہ امام احمد رضا نے قدیم زبانوں تک کی فنی روایت کو نبھایا ہے۔ یہ پوری انسانی تاریخ سے کشید شدہ مکمل ثقافت تھی، اسی وجہ سے امام احمد رضا کی عالمی اہمیت ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے طب میں بھی دلچسپی لی۔ طب جدید کا بڑا اصول یہ ہے کہ اس کا طب کی قدیم روایت سے کوئی سابقہ نہیں رہا اور یہ حکیم و دانا انسانوں کے بجائے تنگ نظر سائنسدانوں کے ہاتھوں میں آگئی ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمہ محض ایک دانا اور ذہین عالم دین، ماہر فنون اور طبیب ہی نہیں تھے بلکہ انہوں نے تمام تر قدیم روایتی حکمت و دانش کو اندرونی و بیرونی حملوں سے بچایا۔ شاید دنیا کے لئے امام احمد رضا کی سب سے زیادہ اہمیت اس بات میں تھی کہ انہوں نے (مضرت رساں) سائنس کی مخالفت کی۔ امام احمد رضا کی زندگی کے اکثر دور میں سائنس کی پرستش ہوتی تھی، یہ نیوٹن اور ڈاروِن پر مکمل ایمان کا دور تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی زندگی کے آخری ایام کے قریب آئن سٹائن کے انقلاب نے سائنس کی پرستش کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے شروع کئے۔ خاص طور پر مسلم دنیا ہی میں سائنس کی پوجا ہوتی تھی اور سائنس ہی کو مغربی تسلط کی وجہ گردانا جاتا تھا۔ اسی سائنس کی مدد سے سفید فام اقوام نے نوآبادیات کے لوگوں پر قابو پا رکھا تھا۔ سائنس کی پرستش میں بہت سے نام نہاد مسلمان بھی شامل تھے اور مسلمانوں میں سے سرسید احمد خان جیسے لوگوں نے اسلام کو اس طرح تبدیل کرنے کی کوشش کی کہ اسلام سائنس کے بارے میں مغرب کے نظریات کے مطابق ڈھل جائے۔ یہی نہیں بلکہ ان لوگوں نے اس سے بھی زیادہ کچھ کیا۔ انہوں نے سائنس ہی کو مسلمانوں پر استبداد، مسلط ہونے کی وجہ قرار دیا۔ مسلمان سائنس پرست نہیں تھے انہیں سائنس پرست بننے پر مجبور کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کے لئے کہیں آزادی نہ ہو اور سائنس کے نام پر مسلمانوں کی مرضی کے بغیر مغربی ماہرین اور جدید مسلم ماہرین ہر جگہ حکومت کریں۔ یقیناً آج ہم جانتے ہیں یہ سائنس زیادہ تر حماقت ہے۔ امام احمد رضا کے وقت میں سائنس سخت نسلیت پرست تھی اور 1921ء میں ان کے وصال کے وقت اس سائنس نے مغرب میں کمیونسٹ اور فاشسٹ استبداد کا جواز فراہم کیا تھا۔ سائنس کی پرستش کے تباہ کن منطقی نتائج آج

اچھی طرح سمجھے جارہے ہیں خاص طور پر مسلم دنیا نے سائنس کے ہاتھوں خوفناک نقصان اٹھائے ہیں۔ ان نقصانات میں سے ایک سائنس کو ہر غلطی سے مبرا سمجھنے والی نوعیت وسطی ایشیاء کی کمیونسٹ رجیم کے ہاتھوں ماحول کی مکمل تباہی کا سانحہ ہے۔ آج ساری دنیا سائنس سے منہ موڑ کر اس روایتی قدیم حکمت و دانش کی طرف رجوع کررہی ہے جو دنیا پر سائنس کی حکمرانی سے قبل موجود تھی، لیکن امام احمد رضا نے آج سے سو سال قبل سائنس کے خلاف جہاد کیا۔ اگر آپ سائنس پر امام احمد رضا کی تصانیف پڑھیں تو آپ محسوس کریں گے کہ انہوں نے سائنسدانوں کی کس طرح تذلیل کی ہے۔

امام احمد رضا کے نزدیک قرآن اور اسلام ہی میں کامل سچائیاں ہیں اور کسی بھی طرح ان کی تردید کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ اگر کبھی سائنسدانوں نے ایسا کیا بھی تو امام احمد رضا نے ان کے دلائل کو اسلامی دلائل سے رد کیا اور ان کے پرخچے اڑا دیئے۔ اس طرح امام احمد رضا سائنس میں عظیم تھے۔ اگرچہ امام احمد رضا کسی طور پر بھی عام سائنسداں نہیں تھے مگر وہ ریاضی اور فلکیات اتنی اچھی طرح جانتے تھے کہ رات کو آسمان دیکھ کر گھڑی کا وقت درست کرلیتے تھے۔ وہ مغربی سائنسی نظریات سے بھی آگاہی رکھتے تھے انہوں نے ستاروں کے جھکاؤ کی بنا پر بڑی تباہی کی پیشن گوئی کرنے والے ایک مغربی ماہر فلکیات کا جواب لکھا اور اپنے جواب میں انہوں نے مکمل طور پر آسمانوں اور کشش ثقل سے متعلق مغربی نظریات کو بنیاد بنایا اور صحیح طور پر پیشن گوئی فرمائی کہ کوئی تباہی نہیں آئے گی اور ان کی پیشن گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ (اس موضوع پر امام احمد رضا کی تصنیف ''معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین'' ملاحظہ کی جاسکتی ہے) آپ کا نظریہ تھا کہ سائنس کو کسی طرح بھی اسلام سے فائق اور بہتر تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی اسلامی نظریے، شریعت کے کسی جز یا اسلامی قانون سے گلوخاصی کے لئے اس کی کوئی دلیل مانی جاسکتی ہے۔ اگرچہ وہ خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے تھے لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تو آپ اسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے تھے، یہی ان کی عالمی اہمیت کی ایک بڑی دلیل ہے۔

امام احمد رضا کے نزدیک کسی بھی روایتی حکمت اور دانش کو ترک نہیں کیا جانا چاہئے بلکہ سائنس کو چاہئے کہ وہ حکمت و دانش کی رقیب یا متبادل بن کر نہیں بلکہ ہمیشہ اس کی خادم بن کر رہے۔ ایک سو سال بعد اب یہی صورت حال ہے جس کی طرف خود مغرب بھی رجوع کررہا ہے جیسا کہ سبز سیاست اور سبز تحریک سے ظاہر ہے لیکن دنیا میں اب بھی استبداد کی مدد کرنے والی سائنس کی احمقانہ پرستش جاری ہے۔ مغرب اب جان گیا ہے کہ اسٹالن کے جبر اور ہٹلر کے نسلی تعصب کے پیچھے سائنس کا کیا کردار تھا۔ اسی لئے مغرب نے سائنس کو اس کے اصل مقام پر رکھنا شروع کردیا ہے۔ امام احمد رضا اس وقت ہی سائنس کو اس کے اصل مقام پر رکھ رہے تھے جب کہ ابھی اس قدر نقصان نہیں ہوا تھا۔ وہ سائنس کو اس مقام پر رکھتے تھے جس کی وہ اہل تھی۔ روایتی حکمت و دانش ابھی زندہ تھی اور وہ خود بھی اس روایتی دانش سے لبریز تھے، وہ صحیح تھے اور مغرب غلطی پر تھا۔

ہاں مغرب کے اپنی غلطی کے اعتراف سے سو سال قبل، اپنی زندگی میں امام احمد رضا نے سائنسدانوں کی حماقتوں کا جواب دینے کی جدوجہد فرمائی لیکن بلاشبہ احمق یورپیوں کی پوری دنیا کے مقابل وہ یکہ و تنہا تھے۔ تاہم انہوں نے سائنس کو اس کے اصل مقام پر رکھنے کیلئے مسلمانوں کو ضروری کام پر لگا دیا۔ انہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ سب سے بڑا چیلنج سائنس کی پرستش اور اس کا وہ طریقہ تھا جس سے وہ اسلامی حکمت و دانش کا دھکا رہی تھی۔ امام احمد رضا کے زمانے کے مقابلے میں آج ہم سائنس کو چیلنج کرنے کی بہتر پوزیشن میں ہیں کیونکہ آج مغرب میں بہت سے لوگ خود ہی سائنس کی محدودیت کو جان گئے ہیں۔ امام احمد رضا سائنس کے مقابل اسلام کا دفاع کرنے اور سائنس کی حدیں واضح کرنے کی کاوشوں کی وجہ سے عالمی اہمیت کی حامل شخصیت ہیں۔ صرف امام احمد رضا کے طریق کو اپنا کر ہی مسلم دنیا اپنے تباہ کن ماضی اور حال سے پیچھا چھڑا سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی ایک اور سادہ طریقے

سے بھی عالمی اہمیت رکھتے تھے، وہ ایک آفاقی تھے۔ جدید دور تحت نیشنلزم اور نسلیت پرستی کا دور ہے لیکن امام احمد رضا چونکہ مسلمان تھے اس لئے کوئی ملک یا براعظم ان کا وطن نہیں تھا۔ پوری اسلامی دنیا ان کی مادر وطن تھی۔ ان کی شہرت ساری اسلامی دنیا تک پھیلی ہوئی تھی، خود مکہ معظمہ میں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ (ملاحظہ فرمائیں ''امام احمد رضا علمائے حجاز کی نظر میں'' از: ڈاکٹر محمد مسعود احمد) انہوں نے اسلام کی بین الاقوامی ثقافت کا تصور دیا، وہ تمام لوگوں سے مخاطب ہوئے، انہوں نے بہت سی زبانوں میں استفتاء کے جواب لکھے، وہ ہمیشہ اس زبان میں جواب دیتے جس زبان میں سوال کیا جاتا تھا۔ (ملاحظہ فرمائیں ''فتاویٰ رضویہ (12 جلدیں) از: امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ)

آج کے دور میں خواتین و حضرات کتنے ہی زیادہ ہوں جب ایک ہی ملک، ایک ہی گروہ یا ایک ہی نسل کی طرف دیکھتے ہیں تو بڑا عجیب لگتا ہے حتیٰ کہ ایک عالمی شہرت کا حامل گلوکار بھی آفاقی نہیں ہوتا بلکہ محض امریکی کہلاتا ہے۔ امام احمد رضا ایک آفاقی شخصیت تھے اور یقیناً وہ ایسے ہی تھے کیونکہ وہ ایک سنی مسلمان تھے اور ان کا مقصد اہلسنّت کے نظریات و عقائد کے مطابق اسلام کا دفاع تھا۔ اہلسنّت کے مطابق اسلام ہی تمام مذاہب میں سب سے زیادہ آفاقی ہے۔ عیسائیت کا مرکز اٹلی ہے۔ جبکہ اہلسنّت کے مراکز بہت سارے ہیں اپنی تمام تر قدیم روایات کے ساتھ عرب، ترکی، وسط ایشیاء، انڈیا، مصر یا اسی طرح کے دیگر ممالک۔ امام احمد رضا کا پیغام آفاقی پیغام ہے، وہ کہتے ہیں کہ عالمی اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ جو تمام ملکوں، تمام نسلوں اور تمام قوموں میں موجود ہے۔ کس قدر اہم پیغام ہے یہ دنیا بھر کے لئے۔ آج ہم مرگ مذہب کے دور میں رہ رہے ہیں، مذہب کو سائنس کے مطابق اور جدید بنانے کی کاوشوں نے مذہب و روحانیت کو نکال باہر کیا ہے، سچی روحانیت تقریباً ختم ہوگئی ہے اور مذہب محض سیکولر مقاصد کے لئے رہ گیا ہے۔

اسی طرح صیہونیت اور یہودیت ہر طرح سے نازی ازم کی طرح مذہب سے ایک غلبہ پسند نسلیت پرست تحریک میں تبدیل ہو گئی ہے۔ عیسائیت میں مذہب دائیں بازو کی انتہا پسند سیاست کی مدد کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے، جیسا کہ سیاسی کیتھولک طریقہ یا جیری فال ویل کی انتہا پسند امریکی پروٹسنٹ بنیاد پرستی ہے، سری لنکا میں بدھ مت کے پیروکاروں میں مذہب نے نیشنلزم کی صورت اختیار کر لی ہے اور مسلم دنیا میں اسلام ایک معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی تحریک میں تبدیل ہو گیا ہے، جیسے مودودی اور خمینی کی سیاست میں اسلام کمیونزم اور فاشسزم کے نمونے پر تعمیر کیا گیا ہے۔ ان تمام صورتوں میں روحانیت غائب ہو جاتی ہے، لوگ خدا پر نہیں قوت و طاقت پر بھروسہ کرنے لگتے ہیں۔ صیہونیوں کی اصل امید امریکہ اور ایف۔14 پر ہے، وہ دعا کی بجائے اجتماعی پروپیگنڈہ اور اجتماعی تنظیم سازی پر یقین رکھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ساری تگ و تاز اس لئے تھی کہ کسی طرح روحانیت زندہ رہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ کسی بھی صورت میں اسلام کو سائنس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس سے زیادہ اہم ان کی وہ کاوشیں ہیں جو انہوں نے اہلسنّت کے عقائد کے مطابق اسلام کے روحانی اشغال کے دفاع کے لئے جاری رکھیں۔ انہوں نے صوفی ازم یا اسلامی تصوف کے دفاع کیلئے سخت محنت اٹھائی، اسلامی روحانیت کی بنیاد وہ مسلم درویش اور اولیائے کرام ہیں جن کا سلسلہ خود پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانہ اقدس سے جا ملتا ہے۔ ان صوفیائے کرام کا ایک دوسرے سے اور ماضی بعید کے صوفی سلاسل سے گہرا ربط ہوتا ہے اور اس طرح ایک نسل سے دوسری نسل تک صوفی ازم کا علم و عمل منتقل کرتے ہوئے وہ ایک زنجیر یا سلسلہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ امام احمد رضا تمام اہم صوفی سلاسل میں مجاز تھے اور خود بھی ایک بلند پایہ صوفی اور مصلح تھے۔ انہوں نے خود اور ان کے پیروکاروں نے تصوف کی تمام روایات پر عمل کیا۔ امام احمد رضا کی تحریروں میں اسلامی تصوف اور روحانیت کی چودہ سو سالہ روایات ملاحظہ کر سکتے ہیں، مذہب کی تمام علمی دولتیں انہیں کے دم سے ہیں، وہ

ایک جدید صوفی سے کہیں برتر و بالا ہیں۔ انہوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیتی مرگ مذہب کی تحریک کے خلاف پوری قوت سے اسلام کا دفاع کیا یہی وجہ تھی کہ انہوں نے متعصب اور نشہ میں ڈوبے ہوئے سائنسدانوں کے خلاف جہاد کیا اور ہاں! یہی وجہ تھی کہ انہوں نے وہابیوں کے خلاف جدوجہد کی۔

امام احمد رضا جدید عصر کے تمام حملوں کے خلاف مذہب کے زبردست محافظ تھے۔ انہوں نے ایک بھرپور تحریک کی رہنمائی فرمائی تاکہ اہلسنّت کے عقائد کے مطابق اسلام اپنا کام جاری رکھ سکے۔ تنہا یہی کام امام احمد رضا کو عالمی اہمیت کی حامل شخصیت بنا دیتا ہے۔ بہت سی تقاریب اسلام اور اسلامی تصوف میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ مثلاً پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت ''عید میلاد النبی ﷺ'' کی تقریبات یا بزرگان دین کے مزارات یا دیگر مقامات پر ان کے عرسوں کی تقاریب وغیرہ۔ اس سارے تصوف اور مذہب کے ساتھ تمام طرح کی عبادات اور تقریبات کی مضبوط روایت کی بھرپور حفاظت فرمائی۔ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ عصر جدید کو تصوف اور مذہب کی شاندار علمی روایات پر ڈاکہ نہیں ڈالنے دیں گے، مرگ مذہب کے خلاف یہ جدوجہد بجا طور پر عالمی اہمیت کی حامل ہے۔ صیہونیت، عیسائیت اور بدھ مت میں مذہب کی موت کے نتائج ہم ملاحظہ کر چکے ہیں۔ آج ہم جانتے ہیں کہ ہوشمندی اور عقل و شعور کا ایک ہی راستہ ہے کہ مرتے ہوئے مذہب کو پھر سے زندہ کر دیا جائے۔ انسانیت کے لئے ضروری ہے کہ ایک بار پھر خدا، حیات بعد از موت اور یوم حساب پر یقین کامل پیدا کرے۔ طاقت کی پرستش اور اخلاقی پستی کا جس میں انسانیت گزشتہ صدی سے گر چکی ہے فقط یہی ایک علاج ہے، لیکن صحیح مذہب کو کوئی کہاں تلاش کرے، مذہب میں تو تحریفات ہو چکی ہیں۔ Bishop of Durham جیسے لوگوں کو ماننے والی عیسائیت کیسے یاد کرے کہ حقیقی مذہب کیسا تھا لیکن ہمارے پاس امام احمد رضا اور ان کی رہنمائی میں چلنے والی اہلسنّت تحریک موجود ہے۔ ہم ان کے پیروکاروں اور ان کی تعلیمات کے ذریعہ جان سکتے ہیں کہ حقیقی مذہبی زندگی کیسے گزاری جاتی ہے اور حقیقی روحانیت کیا ہوتی ہے۔ سائنسی قوم پرستی، نسلیت پرستی اور اجتماعیت کے جدید عہد میں حقیقی مذہب کا دفاع اور حفاظت ہی امام احمد رضا کی عالمی اہمیت ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کی اہمیت دیگر تمام خصوصیات مذہب کی موت کے خلاف ان کی دفاعی جدوجہد ان کی طرف سے سائنس کی مخالفت ان کی آفاقیت اور روایتی آرٹ کے تحفظ کے عالمانہ کردار سے نمایاں ہوتی ہے اور ان کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وقت نے انہیں صحیح ثابت کر دیا ہے کیونکہ آج سب نے روایتی مذہب کو ترک کرنے، سائنس کے پیچھے بھاگنے اور سائنس کی ساری تبلیغ کی غلطی کو جان لیا ہے۔ یقیناً امام احمد رضا نے عمومی مذہب کا دفاع نہیں کیا بلکہ انہوں نے اسلام اور خصوصی طور پر اہلسنّت کے عقائد کے مطابق اسلام کا دفاع کیا اور دنیا کے لئے ان کی اہمیت اسی میں تھی کہ انہوں نے اسلام کے دفاع اور حفاظت کے لئے کام کیا۔ امام احمد رضا بریلوی کی عالمی جدوجہد، ان کی یہی جدوجہد ہے جس کے ذریعے انہوں نے اسلام کا دفاع کیا اور اسے آج کے دور کے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے لئے محفوظ رکھا۔

انیسویں صدی میں زوال اقتدار کی وجہ سے اسلام کو بیرونی حملوں کا خطرہ درپیش تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام کو اندرونی حملوں سے بھی خطرہ تھا۔ مسلمانوں میں اعلیٰ معاشرتی مقام کے حامل بہت سے لوگوں نے سوچا کہ اب مسلمانوں کے ساتھ رہنے میں ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ انہوں نے سوچا کہ وہ مسلم برادری کو چھوڑ کر یورپیوں اور امریکیوں جیسے غیر مسلم معاشرے میں اچھی زندگی گزار سکیں گے، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس طرح کرنے کے لئے انہیں اسلام کو مغربی نظریات کے مطابق ڈھالنا پڑے گا۔ روایتی اسلامی طرز زندگی کو چھوڑ کر مغربی طرز کی زندگی کی تقلید کرنا پڑے گی۔ اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ اسلام کو یوں تبدیل کرنے کی ضرورت تھی کہ وہ جدید مغربی سائنس کی پرستش سے مطابقت پیدا کر سکے۔ اسلام میں مذہبیت کم ہو جائے اور وہ جدید مغربی نظریات کے مطابق ڈھل جائے۔ اب یہ سب

کچھ کرنے کیلئے ان (نام نہاد) مسلمانوں کو پیغمبر اسلام ﷺ کے مرتبے و مقام کو گھٹانے کی ضرورت تھی، ان کے معجزات کا انکار درکار تھا، ان کو کسی خاص روحانی قوت سے محروم ایک عام انسان کی سطح تک گھٹانا مقصود تھا تاکہ مغربی سائنس سے ہم آہنگی ہو سکے۔ جب پیغمبر اسلام ﷺ کا مرتبہ و مقام کم کرنے کی کوشش کی گئی تو ان سائنس پرست مسلمانوں کا درجہ بزعم خویش بلند ہو گیا اور وہ اپنی مرضی کے مطابق اسلام کو تبدیل کرنے کے استحقاق کا دعویٰ کرنے لگے، اب ان تمام ضرورتوں نے ان مسلمانوں کو وہابیت کے راستے پر ڈال دیا۔ وہابیت جسے اٹھارہویں صدی میں ابن عبدالوہاب نے شروع کیا وہ طاقت کے ذریعہ پروان چڑھی۔ وہابیت خالص مذہبیت اور خصوصاً روایتی تصوف کو اتار کر دور پھینکنے اور اجتہاد کا دروازہ کھولنے کے کام آسکتی تھی۔ اجتہاد کا مطلب یہ تھا کہ اسلام کو مغربیت میں ڈھالنے کے خواہشمند مسلمانوں کی مرضی کے مطابق اسلامی قانون کو دوبارہ لکھا جائے تاکہ وہ غیر مسلم سوسائٹی میں اچھی نوکریاں حاصل کر سکیں۔ اسی طرح امام احمد رضا کے دور میں اسلام کی شکست و ریخت کا عمل شروع ہو گیا اول اہلسنت کے عقائد کے مطابق روایتی اسلام پر حملہ کیا گیا اور اسے کمتر بتایا گیا اور پھر برطانوی حکومت میں اعلیٰ مناصب کے خواہاں سر سید احمد خاں جیسے لوگوں نے اسلامی جدیدیت کو رواج دیا۔

بعد ازاں مغربی سرمایہ داری کی تقلید محض کرنے والے حکمرانی کی تمام قوت اپنے ہاتھوں میں رکھ کر مسلم دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام تشکیل دینے والے اسلامی جدت پسندوں نے اس جدیدیت کو مزید پروان چڑھایا اور جب یہ اسلامی جدیدیت ناکام ہو گئی تو پھر کمیونزم، فاشسزم کی نقل کی صورت میں وہابیت ابھر آئی۔ فاشسزم اسلامی بنیاد پرستی ہے جو ایران اور دیگر ممالک میں مکمل ناکام اور تباہی پر منتج ہوئی ہے۔ آج ہم ایسے دور میں رہ رہے ہیں جس میں مغرب کے بہترین دوست سعودی حکومت کے سانچے، مسلم دنیا میں تمام تر کوششوں کے باوجود اسلامی جدیدیت کی ناکامی کی معصیت اور آج کے دور میں بنیاد پرستی کی آفت کی صورت میں وہابیت اپنے انجام کو پہنچ رہی ہے۔ بنیاد پرستی کی آفت شاید ابھی مستقبل میں بھی باقی رہے امام احمد رضا محدث بریلوی نے بہت آغاز ہی میں ان تمام غلط راہوں کی نشاندہی اور بھرپور مخالفت کی تھی وہ مغرب اور سائنس سے کوئی رو رعایت نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے تمام عمر وہابیت کے خلاف جد و جہد میں صرف کی انہوں نے ہر اس شخص کی مخالفت کی جس نے پیغمبر اسلام ﷺ کے مرتبہ اور مقام کو گھٹانے کی کوشش کی۔ امام احمد رضا نے رسول ﷺ پر کسی بھی طرح کی تنقید کرنے یا ان کی عظمت و کمال میں کوئی بھی شک پیدا کرنے کی اجازت دینے سے صاف انکار کیا۔ انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے مرتبہ و کمال کو گھٹانے والے وہابی تراجم قرآن کے مقابلے میں اردو زبان میں قرآن حکیم کا بہت ہی خوبصورت ترجمہ پیش کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اسلام کے ان تمام غداروں کی سیاسی اسکیموں کی مخالفت کی جو اسلام کو اپنی قوت بڑھانے کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ان دیوبندیوں اور وہابیوں کو خوب خوب ہدف تنقید بنایا جو سیکولر انڈیا میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ امام احمد رضا نگاہ بصیرت سے ملاحظہ فرما چکے تھے یہ تمام کوششیں اشتمالیت اور وسیع قتل عام پر منتج ہونگی کیونکہ ہندو کبھی بھی اقتدار میں ان وہابیوں، دیوبندیوں کی شرکت پسند نہیں کریں گے۔ امام احمد رضا نے ان وہابیوں کی عوامی سیاست پر سخت تنقید کی جو اعلیٰ مناصب کے حصول کی اسکیموں میں مدد کے لئے مسلمانوں کو محض ووٹروں کے گلے (ریوڑ) میں بدل دینا چاہتے تھے۔ امام احمد رضا نے باب اجتہاد کھولنے کی کسی بھی کوشش کی بھرپور مخالفت کی، وہ کسی کو بھی اپنی ذاتی قوت کے حصول کے لئے اسلام کے نام کا استعمال یا اسلام کی تبدیلی کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

ان سب باتوں سے بڑھ کر امام احمد رضا نے حقیقی اسلامی برادری کے تحفظ کی کوشش فرمائی۔ روایتی اسلامی سوسائٹی اگرچہ پیچیدہ تھی مگر اس کی بنیاد ناقابل تبدیل شریعت کے محافظ اور مسلمانوں کے راہبر علمائے کرام کے نظام، مزارات، خانقاہوں اور مشائخ کرام کے ساتھ صوفی سلسلے کے مکمل وجود اور میلاد کی طرح کی تقریبات پر تھی۔

یہی سوسائٹی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور پسند کے مطابق ڈھلی ہوئی سوسائٹی ہے اور امام احمد رضا نے اسی کے دفاع کی کوششیں فرمائیں۔ انہوں نے بلاشبہ وہابیوں سے اس اسلامی سوسائٹی کو بچایا اور بہت سے ایسے دوسرے لوگوں سے بھی جو علماء سے جان چھڑا کر مودودی کی طرح کے صحافی اور سیاست دانوں کو نگراں بنانا چاہتے تھے تاکہ تصوف کے سلاسل کو مکمل طور پر تباہ کیا جاسکے۔ اپنی جگہ امام احمد رضا کے وقت ہی سے ان لوگوں نے سرمایہ داری یا اشتراکیت کے نمونے پر ایک خوفناک سوسائٹی تشکیل دے لی تھی۔ جس پر انہیں کی حکومت تھی۔ جس کا انہیں کو، ان کے خاندان کو اور ان کے دوستوں کو فائدہ تھا اور اسی سائنس پرست سوسائٹی سے چھٹکارے کی کسی بھی کاوش کو دبانے کے لئے انہیں ہر جگہ خفیہ پولیس کی ضرورت تھی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے یہ بھی رہنمائی فرمائی کہ مسلم کمیونٹی آج کی دنیا میں کس طرح صحیح معنی میں محفوظ رہ سکتی ہے۔ 1912ء میں چار نکاتی پروگرام کے تحت یہ نظریہ پیش فرمایا کہ مسلمانوں کو آپس کے تنازعات باہم حل کرنا چاہئے۔ انہوں نے آپس میں خرید وفروخت کی طرف متوجہ ہونے کی رہنمائی فرما کر ان کے اتحاد، معاشی استحکام اور صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل کا راستہ بھی بتادیا۔ یہی راستہ تھا جس پر چل کر مسلمان غیر مسلم سوسائٹی میں ڈھلے بغیر اپنی تمام روایات سمیت اپنی سوسائٹی کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔ بدترین نسل پرستی، تعصب اور اشتمالیت سے اور شریعت وطریقت کو پروان چڑھا کر اپنی اسلامی جنت میں برقرار رہتے ہوئے جدید دنیا کو جہنم میں اترتے دیکھ سکتے تھے اور مغربیت اور سائنس کی بیجا لادینیت سے بھی محفوظ رہتے اور وہابیت کی لعنتوں سے بھی محفوظ رہتے۔ کسی طرح کا سیاسی دام ان کو اپنی گرفت میں نہ لے پاتا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور دیگر لوگوں نے اس منصوبہ بندی پر عمل کیا، جس سے اسلام اور اہلسنّت کی روایتی سوسائٹی بیسویں صدی کے تمام تر مضرات کے باوجود زندہ وسلامت رہی۔ آج تمام جدت پسندوں اور بنیاد پرستوں کی ناکامی کے بعد منصوبہ رضا کی عظمت کھل کر سامنے آرہی ہے۔ ان جدت پسندوں او بنیاد پرستوں نے مسلم دنیا میں کوئی پائیدار تعمیر نہیں کی، غیر مسلم بھی ایک اچھی سوسائٹی تشکیل دینے میں ناکام ہورہے ہیں، کمیونزم اور فاشسزم دونوں ناکام ہورہے ہیں، حتیٰ کہ اعتدال پسند سوشلزم کے فوائد بھی معدوم ہورہے ہیں کیونکہ مغرب اب دوبارہ سرمایہ دارانہ نظام کی خالص اور بے رحم تعبیر کی طرف لوٹ رہا ہے اور دنیا سائنسی منصوبوں کی ناکامی محسوس کررہی ہے۔ دریں حالات امام احمد رضا کی عالمی اہمیت اور بھی نمایاں ہورہی ہے۔ انہوں نے جدید منصوبوں پر اس وقت تنقید کی جب وہ ابتدائی منزل طے کررہے تھے۔ آج امام احمد رضا محدث بریلوی ہی کے نظریات سچ ثابت ہورہے ہیں، یہ ایک مرد مومن کی فراست اور اس کی بصیرت تھی، سب کچھ صدقہ تھا عشق رسول اکرم ﷺ کا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا دور اب شروع ہوا ہے، ہم اسلام دشمن اور غیر اسلامی حکومتوں اور معاشروں کی دنیا میں رہ رہے ہیں جس کا مذہب سے رابطہ کٹ چکا ہے۔ ہمیں امام نے سکھایا ہے کہ ہم اس دنیا میں کس طرح ہر باطل کا مقابلہ کرتے ہوئے وقار کے ساتھ زندہ رہیں، اب تک ہم وہ تمام پہلو ملاحظہ کرچکے ہیں جن کی وجہ سے امام احمد رضا اہمیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے جدید دنیا کے حملوں کے خلاف عقائد اہلسنّت کے مطابق اسلام کا دفاع کیا۔ امام احمد رضا عالمی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ اہلسنّت کے عقائد اور اسلام عالمی اہمیت کے حامل ہیں اور عقائد اہلسنّت اور ان کے نظریات ہی دنیا کے مسائل کا جواب رکھتے ہیں، انہی عقائد ونظریات کا نام اسلام ہے اور یہی سچا مذہب ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا پوری دنیا کے لئے، تمام انسانیت کے لئے اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ ایک اللہ اور اس کے سچے رسول ﷺ اور دین حق کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں۔ امام احمد رضا نے رسول کریم ﷺ کی کامل واکمل محبت اور عزت کو اسلام کا مرکز، اپنی زندگی کا مرکز اور اپنی تمام علمی کاوشوں کا مرکز بنائے رکھا اور یہی ان کی عالمی اہمیت کا سبب ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

ہمارے اسلاف

مولانا صابر رضا رہبر مصباحی

شیر بیشۂ اہلسنت رضی اللہ عنہ

رب ذوالجلال جل شانہ کی یہ عادت کریمہ رہی ہے کہ وہ تخلیق انسانی کے بعد اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہر دور میں اپنے مخصوص بندوں کو مبعوث فرماتا رہا ہے، جو ضلالت و گمراہی میں پھرتے انسانوں کو اپنے فریضۂ منصبی کے مطابق جادۂ مستقیم پر گامزن کرنے میں لگے رہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک نے ان ہادیوں کو کبھی رسول و نبی کی صورت میں بھیجا تو کبھی اولیا و علما کی شکل میں اس دنیائے آب و گل میں مبعوث کیا اور تا قیامت امت مسلمہ کی ہدایت و رہبری کیلئے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ انہیں مقدس نفوس قدسیہ میں ایک عظیم ہستی حضور شیر بیشۂ اہل سنت، مظہر اعلیٰ حضرت مولانا محمد حشمت علی خاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ کی ہے، جنہوں نے حیات جاودانی کا ایک ایک لمحہ ناموس رسالت کے تحفظ اور دین و سنیت کی تبلیغ و تشہیر میں گزارا ہے۔ مذہب حقہ کی دعوت و تبلیغ اور ناموس رسالت کی پاسبانی کے تعلق سے آپ کی مساعی جمیلہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ہندوستان میں دعوت و تبلیغ اور احقاق حق و ابطال باطل کی تاریخ شیر بیشۂ اہل سنت کے تذکرے کے بغیر کبھی بھی مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔

آپکے والد ماجد حضرت حافظ محمد نواب علی خاں نوری صاحب نے آپ کا نام ''محمد حشمت علی'' رکھا اور شیر اسلام مولانا محمد ہدایت رسول برکاتی علیہ الرحمہ نے آپ کا اسم گرامی ''محمد صدیق'' تجویز فرمایا، اول الذکر نام ہی سے آپ متعارف ہوئے اور اسی کو اختیار فرمایا مگر کبھی کبھی ''محمد صدیق'' بھی نام کی جگہ استعمال میں لایا کرتے تھے۔ مظہر اعلیٰ حضرت، ابو الفتح، شیر بیشۂ اہل سنت، غیظ المنافقین القابات اور عبید رضا تخلص تھا۔

شہر لکھنؤ میں حضرت صوفی مولانا عبدالرحمن صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کے آستانے کے قریب آفریدی النسل گھرانے میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ آپ نے اپنا مادہ سن ولادت اس جملے سے استخراج فرمایا ہے، سگ درگہہ بغداد (1319ھ) مطابق 1901ء۔

شجرۂ نسب، محمد حشمت علی خاں بن محمد نواب علی خاں قادری بن محمد حیات خان بن محمد سعادت خاں بن محمد خاں بقیہ دستاویزات شجرہ وغیرہ ہنگامۂ انقلاب 1857ء کی نذر ہوگئے۔ حضور مظہر اعلیٰ حضرت نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ خاندان ایک فوجی افسر سے تعلق رکھتا ہے آپ کے جد امجد محمد خان صاحب آفریدی درۂ خیبر سے لکھنؤ آئے اور یہاں فوجی افسر کے عہدے پر فائز کئے گئے ان کی نمایاں خدمات کے اعتراف میں حکومت وقت نے انہیں معافیات سے سرفراز کیا۔ جو معافیات آپ کو دی گئی وہ شہر لکھنؤ کے معروف و مشہور قصبہ امیٹھی شریف میں تھی۔ یہیں عظیم فقیہ حضرت ملا جیون علیہ الرحمہ مصنف نور الانوار و تفسیرات احمدیہ، جن کے سامنے سلطان عالم گیر اورنگ زیب نے زانوئے تلمذ طے کیا، ان کے روضہ کے قریب محمد خان صاحب سکونت پذیر ہوئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

حافظ محمد نواب علی خان صاحب اپنے والد گرامی محمد حیات خاں صاحب کی وفات کے بعد اپنی والدہ سمیت اپنے ننھیال لکھنؤ چلے آئے ان کے ماموں نے ان کی پرورش و پرداخت کی۔ یہیں حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کی ولادت باسعادت ہوئی، پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی۔

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی نے آپ کا حلیہ مبارک اس طرح تحریر کیا ہے: ''موزوں و متوسط سڈول بدن، میانہ قد، گندمی رنگ کا صاف نکھرتا ہوا رعب دار چہرا، بھری ہوئی پھبتی ناک، متوسط عقابی نگاہیں جو اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ کی صحیح ترجمان اور

پھر اس پر حق نمائی کی عینک، چہرہ پر داڑھی نہ گھنی نہ ہلکی مگر ہر بال سے عابد شب زندہ دار ہونے کا ثبوت فراہم، سینہ اخلاص و محبت کا مدینہ، شکم کی خوراک قوت لایموت، رفتار میں متانت، کردار میں پاکیزگی، گفتار میں لکھنوی چاشنی، لب ولہجہ میں شستگی، ذہن مناظرانہ، گفتگو بیباکانہ، ہر قدم شرع کا پابند''

چونکہ آپ کا گھرانہ دینی اور ادبی ماحول سے معمور تھا اس لیے آپ کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا گیا، آپ کی پرورش ایک خالص مذہبی وادبی گھرانے میں ہوئی، جب اس عمر کو پہنچے جہاں والدین کو اپنے بچے کی تعلیمی ذمہ داری ستانے لگتی ہے تو آپ کے والد ماجد نے بھی آپ کی زندگی کا رشتہ دین وسنیت سے استوار کرنے کے لئے علم وفن کے گوہروں سے آپ کے سینے کو معمور کرنا چاہا، آپ کی رسم بسم اللہ خوانی کی ایک پر تکلف تقریب کا انعقاد کیا، الحاج صوفی کریم بخش صاحب نے رسم بسم اللہ خوانی ادا کرائی اور وہیں سے آپ کے تعلیمی سلسلے کا آغاز ہو چلا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے جناب حافظ قاری ظہ ٹونکی صاحب سے حاصل کی پھر حفظ وقرأت کے لئے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ میں داخلہ لیا جہاں آپ نے حفظ قرآن روایت حفص، قرأت سبعہ، قرأت عشرہ کی تکمیل فرمائی۔

حفظ قرآن کی تعلیم آپ نے عبد الغفار سے حاصل کی جو مولوی اشرف علی تھانوی کا مرید دیوبندی مذہب کا پیروکار تھا، فارسی کی ابتدائی تعلیم احمد حسین لکھنوی سے لی، نحو، صرف کی ابتدائی کتابیں مولوی نصیر الدین سے پڑھیں یہ وہی مولوی نصیر الدین ہے جس نے آپ کو وہابی دھرم کے ابتدائی مسائل سکھا کر شرک وبدعت کہنے تک مائل کر دیا۔ فن خوش نویسی کیلئے آپ نے منشی شمس الدین صاحب اعجاز رقم کے سامنے زانوائے تلمذ طے کیا۔ سادگی مزاج اور لہو ولعب سے عدم رغبت کی وجہ سے کتب بینی ہی آپ کی دل چسپی کا سامان رہا، ذہانت وفطانت میں آپ کا مثیل نہیں تھا، امتحان میں ہمیشہ ممتاز پوزیشن حاصل کرتے جس کی وجہ سے آپ کو جملہ اساتذہ محبوب رکھتے، مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کا عین القضاۃ آپ کو مدرسے کا آفتاب کہا کرتا تھا، آپ کی ذہانت وفطانت اور تعلیم میں اچھا رول ادا کرنے کی وجہ سے خوش ہو کر اس نے آپ کیلئے آٹھ روپیہ مہینہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔

چونکہ آپ دیوبندی مکتب فکر کے ادارے میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ان لوگوں نے اپنی فطرت کے مطابق شرک وبدعت کے نام پر آپ کے ایمان وعقیدے پر بھی شب خون مارنا چاہا اور خود ساختہ اصول شرک وبدعت کی آڑ میں بدعقیدگی کا زہر آپ کے دل ودماغ میں انڈیلنے کی سعی میں مصروف ہو گئے، جس کا لازمی اثر آپ پر ظاہر ہونے لگا، آپ کے والدین کریمین کا تعلق مسلک اہل سنت سے تھا کہ وہ لوگ فاتحہ نیاز اور محفل میلاد کی مجلسیں سجایا کرتے تھے جو عین اسلام کے مطابق ہے۔ آپ اس کو شرک وبدعت کہہ کر گھر میں ان امور کی انجام دہی سے گریز کرنے کی تلقین کرنے لگے، آپ کے والدین اس طرح کی باتیں سن سن کر حیران وپریشان رہنے لگے۔ آپ کی والدہ برابر آپ کے والد ماجد سے عرض کرتیں کہ صاحب زادے کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ فاتحہ نیاز اور دیگر ذکر واذکار کی محفل کو اصول شرع کے منافی بتا رہا ہے۔

ایک روز آپ جب مدرسہ فرقانیہ سے پڑھائی کے بعد گھر آئے تو دیکھا کہ والدہ محترمہ کچھ کتابوں کو دھوپ میں سوکھا رہی ہیں، ان کتب کو دیکھ کر آپ متعجب ہوئے اور اس کو الٹ پھیر کر دیکھنا شروع کر دیا، انہیں کتابوں کے انبار میں ''تمہید الایمان'' نامی کتاب مصنفہ امام اہل سنت نظر آئی۔ آپ نے اس کو ہاتھ میں لیا اور ورق گردانی میں مصروف ہو گئے جوں جوں کتاب کا مطالعہ کرتے جا رہے ہیں حقیقت کا چہرہ بے غبار ہوتا جا رہا تھا، گمراہی کا پردہ چاک ہوتا جا رہا تھا، دل کی دنیا بدلتی جا رہی تھی، دیوبندی اساتذہ نے آپ کے دل ودماغ میں شرک وبدعت کے نام پر جو زہر گھولا تھا تمہید ایمان، اس کے لئے تریاق ثابت ہوئی، آپ کتاب پڑھتے جاتے اور کہتے جاتے ''یقیناً کافر ہیں، یقیناً کافر ہیں''

اس کے مدرسہ فرقانیہ کے تعلیمی اوقات بھی محض بحث ومباحثہ اور چھیڑ چھاڑ کی نذر ہونے لگے اور تعلیمی حیات کا دم گھٹنے لگا تو آپ نے اپنا سارا قصہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں لکھ بھیجا اور حصول علم دین کے لئے بریلی شریف آنے کی اجازت طلب کی۔

امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے آپ کو فوراً بریلی شریف چلے آنے کا حکم دیا اور تعلیم کا سارا انتظام والنصرام اپنے ذمہ لے لیا۔ آپ نے حصول علم دین کیلئے بریلی شریف جانے کی تیاری شروع کردی۔ جب اس کی خبر مدرسہ فرقانیہ کے ارکان و مدرسین کو لگی تو انہیں اپنے خود ساختہ عقیدے کا جنازہ آنکھوں کے سامنے پھرتا دکھائی دینے لگا اور وہ لوگ حیران و پریشان ہوکر آپ کو بریلی شریف جانے سے روکنے کی نئی نئی تدبیریں سوچنے لگے، بالآخر مدرسہ کے عین القضاۃ نے آپ کو اور آپ کے والد ماجد کو بلایا اور آپ کے والد کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ بہت ہی ذہین طالب علم ہے، اس کی وجہ سے ہمارے مدرسے کا نام روشن ہوگا اس لئے آپ اس کو کسی دوسری جگہ نہ جانے دیں اب میں اس کا وظیفہ دس روپے مہینے کے بجائے پچیس روپے کردیتا ہوں۔ عین القضاۃ صاحب کی ان باتوں کا آپ کے والد ماجد پر کوئی اثر نہ پڑا اور آپ نے اس کی پیش کش ٹھکرا دی دشمنوں نے روپے کا لالچ دے کر آپ کے ایمان وعقیدے کا سودا کرنا چاہا تھا مگر جس کو کھرے کھوٹے کی پہچان ہو وہ بھلا خسارے کا سودا کیسے کرسکتا ہے، دشمنوں کا یہ آخری حربہ بھی ناکام ثابت ہوا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی اجازت ملنے کے بعد ۱۳۳۵ھ مطابق 1917ء میں آپ بریلی شریف تشریف لے گئے اور آپ کا داخلہ مدرسہ اہل سنت منظر اسلام میں لے لیا گیا پھر آپ پوری دل جمعی سے میخانۂ رضا سے خود کو سیراب کرنے میں مشغول ہوگئے۔ مدرسہ منظر اسلام میں پڑھائی بھی کرتے اور مسجد بی بی جی صاحبہ میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے اور بقیہ اوقات امام عشق ومحبت کی خدمت میں گزارتے، اعلیٰ حضرت کی محبت آپ کے دل میں گھر کرتی چلی گئی اور آپ اپنا زیادہ تر وقت ان کی خدمت میں صرف کرنے لگے، آپ کے استاد گرامی صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت نے کئی بار تنبیہ کی کہ تعلیم میں زیادہ وقت صرف کریں مگر آپ پر اس کا کچھ اثر نہ پڑا اور آپ اپنی روش پر برابر قائم رہے، جب آپ کے والد ماجد نواب علی خاں صاحب بریلی شریف آئے تو صدر الشریعہ نے ان سے آپ کی شکایت کی صاحب زادے پڑھنے کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیتے۔ دن رات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ صدر الشریعہ کی باتوں کو سن کر آپ کے والد ماجد صاحب نے جو جواب دیا وہ بڑا ہی دل افروز ہے۔ انہوں نے کہا کہ "حضرت جو آپ بانٹ رہے ہیں وہ تو بعد میں مل سکتا ہے اور جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ بانٹ رہے ہیں وہ بعد میں کہاں ملے گا۔"

حضور مظہر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تعلیم کے آخری مرحلے ہی میں تھے کہ مجدد اعظم ہند امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنے رب کریم سے جا ملے۔ یہ سن 1340ھ کا تھا، اسی سال آپ کی تعلیم مکمل ہوئی اور شعبان المعظم میں مدرسہ منظر اسلام کے جلسہ کے موقع پر آپ کو خلعت و دستار و جبہ سے نوازا گیا۔ شہزادۂ امام اہل سنت حضرت حجۃ الاسلام، مفسر قرآن حضرت صدر الافاضل، حضور مفتی اعظم ہند، حضور صدر الشریعہ امجد علی اعظمی علیہم الرحمہ نے آپ کے سر پر علم وفضل کا تاج زریں رکھا اور سند اجازت درس نظامی وحدیث سے سرفراز فرمایا۔ حضور حجۃ الاسلام نے اپنا جبہ شریف پہنایا اور خلافت واجازت سے نوازا۔

فراغت کے بعد مدرسہ منظر اسلام میں ہی بحیثیت مدرس آپ کی تقرری کرلی گئی اور وہیں سے آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ مدرسہ منظر اسلام میں تدریس کی ذمہ داری بھی نبھاتے اور جماعت رضائے مصطفیٰ میں مفتی کی خدمت بھی انجام دیتے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ مدرسہ مسکینیہ دھوراجی میں صدر مدرس کے عہدے پر فائز کردیئے گئے وہاں بھی آپ نے علم وفضل کے گوہر خوب لٹائے، جس کی وجہ سے وہابیت اور دیوبندیت کے ایوان میں ہلچل پیدا ہوگئی اور انہیں آپ کے وجود مسعود سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ ان لوگوں نے آپ کو دھوراجی چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ان کی ہر سعی ناکام ہوکر رہ گئی۔ بالاخر ان ظالموں نے اپنی فطرت سے مجبور ہوکر سحر کا سہارا لیا اور آپ کو مسحور کردیا، آپ کی طبیعت علیل رہنے لگی علاج ومعالجہ کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ چاروناچار اسی حالت میں آپ بریلی شریف حاضر ہوئے پھر آپ مدرسہ اہل سنت دیادرہ ضلع بڑودہ گجرات کے صدر مدرس بنا کر بھیج دیئے گئے، جہاں آپ نے تشنگان علوم نبویہ کو خوب خوب سیراب کیا۔

مدرسہ اہل سنت دیادرہ کے تدریسی زمانے میں ہی محمد حسین دیوبندی سے تاریخی مناظرہ ہوا بھرے مجمع میں اسے ذلت وخواری نصیب ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی فتح وکامرانی سے ہم کنار فرمایا۔ گجرات کے مشہور معروف صنعتی شہر سورت میں جشن فتح سنیت کے نام سے ایک عظیم کانفرنس منعقد کی گئی اور اس تاریخ ساز کانفرنس میں علما ودانشیان گجرات نے آپ کو شیر بیشۂ اہل سنت کا خطاب دیا۔ یہ خطاب اتنا مشہور ہوا کہ یہ علم کی صورت اختیار کر گیا اور آپ اسی کے ذریعے متعارف ہونے لگے۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت جب وہ کرسی خطابت پر جلوہ بار ہوتے ہیں تو اپنے وقت کے عظیم خطیب نظر آتے ہیں اور دیگر میدانوں میں بھی اپنی خداداد امتیازی خصوصیات برقرار رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت کا اسلوب خطاب بڑا ہی نرالا اور اچھوتا تھا۔ رئیس القلم علامہ ارشد القادری رقم طراز ہیں کہ: ”خطبا وواعظین کی پوری جماعت میں آپ کا خطبا اپنی شان میں منفرد تھا۔“

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے تصنیف میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کے جواہر بکھیرے اور کئی اہم موضوعات پر اپنے رشحات قلم چھوڑے ہیں۔ چونکہ آپ فطری طور پر ایک مناظر واقع ہوئے تھے اس لئے اس کی طرف زیادہ متوجہ رہے اور تحفظ ناموس رسالت کے مشن میں ہمہ تن مصروف رہے، عدم فرصتی کی وجہ سے آپ نے تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ التفات نہیں فرمایا، پھر بھی عمر شریف کے آخری ایام میں تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے اور متنوع موضوعات پر سو سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ انوار الغیبیة، القلادة الطیبة المرصعة، راد المهند، تقریر منیر قلب، مبلغ وہابیہ کا گریز، راندیر میں سنیوں کی فتح عجیب، امداد الدیان فی تفسیر القرآن (تفسیر حشمتی)، مباحثۂ اہل سنت ووہابیہ، جمال الایمان والایقان، القول الازہر، الصوارم الهندیہ، مناظرۂ ہلدوانی، مناظرہ سنبھل، مناظرۂ لاہور، مناظرۂ پنجاب، مناظرۂ ملتان، مناظرۂ دھاتے پور، سنی، وہابی مناظرہ، مناظرہ سنڈیا، مناظرہ ڈیرا، مناظرۂ الہ آباد، احکام دین مصطفیٰ، الجوابات السنیة، الصولة الاحدیة، رد کید الخبثا، انقلابی افتراؤں کے جوابات، اجمل انوار الرضا، ستر (70) باادب سوالات دیجیہ ایمانیہ، الصوارم السنیہ، سیف خداوندی، احمد آباد کے مناظرے کا چپ انجام، قہر القهار، الفرج والتاج لمحب محفل المعراج، مخزن ہدایت، شمامة العنبر، ہیبت قہاریہ، عطر الصمدل، سل الصوارم الصمدیه، عرض منیر، تفسیر امداد السبحان، فتاوی شیر بیشۂ اہل سنت، دردِ دل کا علاج، الصوارم المحمدیہ علی کفرة المرزائیہ والدیوبندیہ، کشف ضلال دیوبندی، ذو الافهام علی حکم التبلیغ خلف الامام، مظاهر الحق الاجلی اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت ساری کتابیں ہیں جن میں سے کچھ تو مرور ایام کی نذر ہوگئیں اور کچھ زیور طباعت سے آراستہ ہونے کی منتظر ہیں۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے شعبۂ تدریس مین بھی اپنے عمدہ نقوش ثبت فرمائے ہیں۔ آپ کی درسی صلاحیت وقابلیت پر کچھ کہنا سورج کو جگنو دکھانے کے مترادف ہے۔ اس کیلئے محض یہی کافی ہے کہ منظر اسلام سے فراغت کے بعد آپ کو وہیں مسند تدریس پر فائز کر دیا گیا اور بس۔ آپ نے اپنے دور تدریس میں خوب علم وفن کے موتی لٹائے ہیں اور تشنگانِ علوم نبویہ کو شادکام کیا ہے۔ آپ کے خوشہ چینوں میں بڑی بڑی ہستیاں شامل ہیں جنہوں نے آپ کے مشن کو سرعت کے ساتھ آگے بڑھایا۔ آپ نے ملت اسلامیہ کے شاہزادوں کی علمی وفکری تربیت میں بڑا ہی عمدہ رول نبھایا ہے، آپکے چند تلامذہ کے اسما، سید العلما حضرت مفتی سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ شاہ محمد ابراہیم رضا خان عرف جیلانی میاں، حضرت علامہ غلام جیلانی اعظمی، حضرت مفتی محمد احمد میاں قادری، حضرت علامہ مفتی ابو طاہر محمد طیب دانا پوری، حضرت مولانا سید شاہ حسن میاں صاحب قبلہ، خلف اکبر حضرت مولانا مشاہد رضا خاں صاحب، حضرت مولانا قاری احمد حسن قادری پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ آپ کے ایسے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے اپنی وسعت کے مطابق دین حقہ کی عظیم خدمات انجام دی

ہیں مگر اختصار کے دامن کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند دیئے جاتے ہیں۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت ان ساری خوبیوں کے جامع تھے جو ایک عظیم مناظر میں ہونی چاہئے۔ آپ نے اس کثرت سے مناظرہ کئے ہیں اور باطل طاقتوں کو دھول چٹائی ہے کہ آپکے تمام اوصاف کمالیہ پر مذکورہ وصف غالب آگیا اور آج بھی دنیا آپ کو ایک مناظر کے روپ میں دیکھتی اور جانتی ہے۔ حاضر جوابی اور وسعت مطالعہ میں آپ فقید المثال تھے، آپ کی مناظرانہ قابلیتوں کا ایک زمانہ معترف ہے۔ جب بھی کہیں باطل نے سر ابھارا، آپ فوراً اس کی سرکوبی کے لئے بے خطر سربکف میدان میں کود پڑے، نہ زمانے کی قوت کا خوف تھا نہ ہی دولت وثروت کی لالچ۔ فقط شریعت اسلامیہ کا تحفظ مطمح نظر تھا۔ اس کے لئے باطل قوتوں نے آپ کو مختلف طریقوں سے شکست دینے کی کوشش کی مگر ناکامی کے سوا کچھ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ جو سمندر کی موجوں کو روکنے کی کوشش کرتا ہے اس کا وجود ہی نہیں بلکہ بستیاں تباہ ہوجاتی ہیں مگر موجوں پر قابو نہیں پایا جاسکتا۔ حضور شیر بیشۂ اہل سنت بدمذہبوں کے لئے ایک ایسی موج تھے جس کی لہروں میں حق کیلئے نرمی اور باطل کیلئے تندی تھی۔ غیر منقسم ہندوستان کے چپے چپے میں آپ نے سینکڑوں مناظرے کئے اور حق کا پرچم بلند فرمایا بقول خود کہ رد ابطال باطل اور احقاق حق ہمارا پیشہ ہے اس کو آخری عمر تک اپنائے رکھا ان کی مناظرانہ خدمات پر لکھنے کیلئے ایک دفتر درکار ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کیلئے شدھی تحریک ایک بہت بڑا فتنہ بن کر ابھری۔ پنڈت شردھا نند شدھی اس تحریک کا بانی تھا، اس ناپاک تحریک کا مقصد غریب مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کو زر وزمین کے بدلے میں خریدنا تھا، اس نے اپنی اس ناپاک تحریک کے ذریعے پورے ملک میں آگ لگادی اور غریب ومسکین مسلمان حرص ولالچ کے جھانسے میں آکر مذہب اسلام سے منحرف ہوکر ہندومت اختیار کرنے لگے۔ روز بروز یہ آگ اور تیز ہوتی جارہی تھی بروقت اس پر قابو پانا ازحد ضروری تھا۔ حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے ذریعے اس کی سرکوبی کے لئے جگہ جگہ اپنے وفود کو بھیجنا شروع کیا اور اس طرح اس ناپاک تحریک کو ناکام کر کے ہزاروں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچالیا گیا، شدھی تحریک کو ناکام بنانے میں حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دست وبازو بن کر پنڈتوں کا بھرپور تعاقب کیا، متعدد مناظرے کئے اور انہیں ذلت ورسوائی سے دوچار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

حضور مظہر اعلیٰ حضرت شیر ببر تھے یہ ان کی زندگی کے ہر ورق سے ثابت ہوتا ہے کہ حق کی تبلیغ وتشہیر کے لئے کسی بھی باطل قوت کو کبھی بھی خاطر میں نہیں لائے اور نہ ہی کبھی آپ کے پائے استقامت میں جنبش پیدا ہوسکی، بدمذہبوں کے سارے حیلے ناکام ہوگئے۔ کبھی ان لوگوں نے سکوں کے ڈھیر میں آپ کو تول کر حق کی نشر واشاعت سے باز رکھنا چاہا تو کبھی کیس ومقدمہ اور کبھی زہر ہلاہل اور قاتلانہ حملے کر کے آپ کے پائے استقامت کو متزلزل کرنے کی ناپاک کوشش کی مگر حضور شیر بیشۂ اہل سنت نے ان کی تمام سازشوں کا گلا گھونٹ دیا اور حق کی تبلیغ وباطل کی تردید میں مگن رہے۔ ایک مرتبہ آپ اور محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ گجرات سے بریلی شریف واپس ہورہے تھے کہ آپ کو معلوم ہوا کہ اسی گاڑی میں گاندھی جی کے ساتھ سیکنڈ کلاس کے ڈبہ میں صدر دیوبند مولوی حسین احمد ٹانڈوی بھی بیٹھے ہیں۔ ٹانڈوی جی کی کتاب ''الشہاب الثاقب'' کی خباثتوں کے باعث آپ سخت برہم تھے اور اس نام کے مدنی کے متلاشی تھے۔ جب معلوم ہوا تو سیدھے اس ڈبہ میں تشریف لے گئے اور گاندھی جی کی موجودگی میں ٹانڈوی جی کی خبر لینی شروع کردی اور اس پر سوالوں کی بوچھار کردی، وہ لاجواب ہوکر بیت الخلا میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا اور گاندھی جی نے بڑی منت وسماجت کر کے اس کی جان بچائی۔ یہ وہی شیر بیشۂ اہل سنت ہیں جنہوں نے دار العلوم دیوبند میں بنفس نفیس جاکر چیلنج مناظرہ کیا اور صدر دروازہ پر اسٹیج لگا کر تقریر کرنے لگے۔ مگر کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ ان کے اس چیلنج کو قبول کرتا پھر آپ نے دار العلوم دیوبند میں چند منٹوں کی تقریر کی اور چند سوالات کر کے واپس تشریف لے آئے۔ [ماخوذ از مقالہ مولانا محمد حسن علی میلسی]

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

دل کے جذبات کو اظہار کی زبان عطا کرنے کا نام شاعری ہے کچھ لوگ شاعری کو اپناتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہیں شاعری اپنا لیتی ہے۔ شیر بیشۂ اہل سنت کی ذات والا صفات انہیں میں سے ہے آپ کے پاس نہ اتنی فرصت تھی اور نہ ہی وقت کی وسعت کہ شاعری کرتے مگر جب جذبات کا پیمانہ لبریز ہوتا ہے تو وہ خود بخود شعر کا لبادہ اوڑھ کر چھلک جاتا ہے۔ آپ نے بہت کم شاعری کی ہے کبھی کسی نے جب فرمائش کردی تو اس کو پورا کرنے کے لئے شعر کہہ لیا تو کبھی دل مضطر کو مدینے کی گلیوں میں گھمانے کے لئے شعر و شاعری کے گلستانوں کی سیر کرلی۔ یہاں ان کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

اللہ بھی طالب ہے تیرا جن و بشر بھی
ہے عرش تیرا خلد بھی ، اللہ کا گھر بھی
جب تجلی کیا کرے کوئی
کیوں نہ بے خود ہوا کرے کوئی
مدد کا وقت ہے اے سید خیر الوریٰ اٹھئے
ہوا اعدا کا نرغہ اے حبیب کبریا اٹھئے

حضور شیر بیشۂ اہل سنت حج و زیارت کی سعادت سے دو مرتبہ سرفراز ہوئے پہلا حج آپ نے 1370ھ مطابق 1951ء میں کیا جب کہ دوسرا سفر 1377ھ مطابق 1957ء میں کیا۔ دوسرے سفر میں آپ کے ساتھ حکیم صوفی حیات علی بہاولپوری اور صوفی خاموش شاہ صاحب جیسی عظیم ہستیاں تھیں۔ یہ سفر آپ نے 1377ھ مطابق 1957ء میں طے کیا اور اس سفر میں بھی آپ نے نجدیوں سے مباحثے و مناظرے کئے ہندوستان میں دیوبندیوں وہابیوں نے سنیوں کو مضطرب کرنے کیلئے یہ افواہ پھیلا دی کہ آپ کو سعودی عرب نے گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ 9/ محرم الحرام 1378ھ مطابق 5/ اگست 1958ء کے مکتوب میں جو آپ نے اپنے برادر اصغر مفتی محبوب علی صاحب کے نام بھیجا تھا رقم طراز ہیں۔ ''میرے متعلق وہابیوں نے پروپیگنڈہ کیا ہوگا لیکن پریشان نہ ہونا، پچیس نجدی ملاؤں سے حکومت نجدیہ کے قائم کردہ مرکز ''ھیئة الامر بالمنکر والنھی عن المعروف'' میں تقریباً ڈھائی گھنٹے زبردست مباحثہ و مناظرہ ہوا۔ جس کا خاتمہ رئیس الھیئة کے اس جملے پر ہوا ''سامحونا فقد کلفناکم'' ہمیں معاف دیجئے ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی۔ 9/ اگست 1958ء کو آپ اس مبارک سفر سے وطن واپس ہوئے ممبئی میں آپ کا زبردست استقبال کیا گیا۔

حضور شیر بیشۂ اہل سنت جہاں دیگر خصوصیات میں یگانہ روزگار تھے وہیں زہد و اتقا میں بھی اپنی شناخت رکھتے ہیں، اصول اسلامی سے سرمو انحراف آپ کو قطعی برداشت نہ تھا، شریعت اسلامیہ کے اصول پر آپ سختی کے ساتھ پابندی کے قائل تھے یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ آپ کو شدت پسند کہتے ہیں۔ بہر حال ہم یہاں زہد تقویٰ سے متعلق ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ زہد و اتقا کی کس منزل پر فائز تھے۔ آپ 1378ھ میں ممبئی کے میمن حاجی عثمان عبدالغنی قادری کے یہاں تشریف لائے۔ جس کمرے میں آپ کا قیام تھا اس میں زنان خانہ سے بھی آنے جانے کا راستہ تھا اور باہر سے بھی رات تین بجے حاجی عثمان عبدالغنی صاحب کی آنکھ کھل گئی اور وہ اندر کے راستے سے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے کمرے میں گئے دیکھا باہر کا دروازہ بند ہے اور بلب کی روشنی مدھم ہے۔ انہوں نے تیز روشنی کا بلب جلایا تو دیکھا کہ بستر پر حضرت شیر بیشۂ اہل سنت کے جسم کا ایک ایک عضو جدا جدا بکھرا پڑا ہے، یہ دل دوز منظر دیکھ کر ان پر سکتہ طاری ہوگیا اور گھبراہٹ میں واپس آگئے، پورا بدن کانپ رہا تھا۔ پریشانی کے عالم میں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس سے کہوں اور کیا کہوں، یہ رات میں کون دشمن گھر میں آکر یہ کام کرگیا، میں سنیوں کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔ ابھی اس طرح کی سوچوں کے دلدل میں ہی پھنسے تھے کہ اچانک صدر دروازہ سے حضرت تشریف لائے اور فرمایا کیوں حاجی صاحب خیریت ہے؟ اس وقت کیسے آگئے؟ جایئے جاکر آرام کیجئے۔ اب انکی حالت اور خراب ہوگئی کہ ابھی بستر پر ان کے بدن کا ہر حصہ الگ الگ دیکھا اور یہ صحت و سلامتی کے ساتھ میرے سامنے ہیں، آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اور پریشانی دور ہوگئی۔ مگر دل میں یہ خلش باقی رہی کہ...............

بقیہ صفحہ 5 پر ملاحظہ فرمائیں۔